دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

Baitussalam.org | Baitussalam_org | Baitussalam_org | +9221-111-298-111

ماہنامہ فہمِ دین

جلد 08 • شمارہ 04 • دسمبر 2018

عالمی دباؤ

ایمان کا امتحان

BAITUSSALAM

The Burger Shack

YOUR ORDER, **OUR PRIORITY!**

NOW DELIVERING: 111-TBS-TBS

(827-827)

دینی اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ

فہم دین

کراچی

دسمبر 2018ء

مدیر	محمد خرم شہزاد
ناظم	خالد عبدالرشید
کمپوزنگ	مظفر بھٹو
نظرثانی	طارق محمود
تزئین و آرائش	نوید فرید

آراء و تجاویز کے لیے
0304-0125750

ڈاک سے متعلق امور کے لیے
0323-3229313 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے
0314-2981344
marketing@fahmedeen.org

خط و کتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالہ کے اجراء کے لیے
26-C گراؤنڈ فلور، بن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابان جامی،
بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

زر تعاون

فی شمارہ : 40 روپے
سالانہ فیس : 520 روپے
بیرون ملک بدل اشتراک : 35 ڈالر

ناشر: فیصل زبیر | مطبع: واسا پرنٹر | مقام اشاعت: دفتر فہم دین

زیر سرپرستی

مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

فہم و فکر

عالمی دباؤ ایمان کا امتحان — مدیر کے قلم سے — 04

اصلاحی سلسلہ

فہم قرآن — شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم — 05
فہم حدیث — مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ — 06
آئینہ زندگی — حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ — 08

مضامین

اپنی مٹی پہ چلنے کا سلیقہ سیکھو — طارق محمود — 10
حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ — حذیفہ رفیق — 12
ہمارے تعلقات اور اخلاقیات — اویس ارشد — 14
کتاب بینی — ضیا حسین ولی — 17
صحت مند، متحرک اور بھرپور زندگی گزاریے — طاہر فاروقی — 18
مسائل پوچھیں اور سیکھیں — مفتی محمد توحید — 19
باورچی خانہ اور ہماری صحت — حکیم شمیم احمد — 22

خواتین اسلام

ہدایت کے فیصلے — بنتِ محمود — 24
مجھ کو دیکھیں گے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم — جنید حسن — 26
کنجوس — وزیہ ظفر — 30
ہجرت — بنتِ گوہر — 32
باپ کا بیٹی کے نام خط — محمد دانش — 35
اکرموا اولادکم — اہلیہ مظفر — 36

باغیچہ اطفال

جوار بھاٹا — فوزیہ خلیل — 40
بھن بھن مکھی — ڈاکٹر الماس روحی — 41
گڈو میاں بنے حلوائی — اہلیہ محمد فیصل — 42
انعامات ہی انعامات — 44
بچوں کے فن پارے — 45

بزم ادب

میں اور میرے ماں باپ ہوں قربانِ محمد — خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ — 46
گلاب — جوہر عباد — 47
گلدستہ — 48

اخبار السلام

خبرنامہ — ادارہ — 50

عالمی دباؤ
ایمان کا امتحان

مدیر کے قلم سے

دباؤ تو عرب کے کرتوں دھرتوں نے بھی بہت ڈالا تھا۔ آپ صرف اپنی دعوت چھوڑ دیں، منہ مانگی دولت آپ کے قدموں میں ڈھیر کر دیں گے۔ آپ ہمارے بتوں کو برا کہنا چھوڑ دیں، حسن کی کلیاں آپ پر نچھاور کر دیں گے۔ آپ صرف ایک خدا کی بات نہ کریں تو عرب کی بادشاہت آپ کے حوالے کر دیں گے۔ نبی کریم ﷺ تو رب کے دیوانے اور توحید کے پروانے تھے۔ آپ نے ہر پیش کش ٹھکرا دی۔ نہ دولت چاہیے اور نہ ہی حسن اور بادشاہت۔ صرف خدا کی زمین پر خدا کا نظام چاہیے۔

دباؤ تو ابو طالب پر بھی بہت ڈالا گیا تھا۔ تمہارا بھتیجا اپنی دعوت سے باز نہیں آ رہا۔ یا تو آپ اس کی زبان کو لگام دے دیں یا پھر اس کی طرف داری سے دست بردار ہو جائیں۔ ابو طالب قومی دباؤ سے مجبور ہو گئے۔ بھتیجے کا بلا بھیجا۔ کئی قبائل کے سر براہ موجود تھے۔ ابو طالب کہنے لگے : ”بھتیجے ! ان کی بات مان لو۔ اب میرے کندھوں میں اس مخالفت کے بوجھ کو برداشت کرنے کی ہمت نہیں ہے۔“ بھتیجا تو رب کا دیوانہ اور توحید کا پروانہ تھا۔ پورے وقار اور رعب کے ساتھ گفتگو شروع کی، کہنے لگے : چچا! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج رکھ دیں اور دوسرے ہاتھ پر چاند رکھ دیں (یعنی پوری دُنیا نہیں، پوری کائنات کے خزانوں کا بھی لالچ دیں) تب بھی میں اپنی دعوت سے اس وقت تک دست بردار نہیں ہوں گا، جب تک میرے جسم میں جان باقی ہے۔

دباؤ تو صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نئی حکومت پر بھی بہت تھا۔ ریاستِ مدینہ کے سابق سر براہ نبی کریم ﷺ کا اسی ہفتے میں ہی تو انتقال ہوا تھا، بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ اس سانحے کو سہہ نہ پائے تھے، حتی کہ حضرت عمرؓ ننگی تلوار ہاتھ میں لیے کھڑے تھے کہ جو بھی نبی کریم ﷺ کی وفات کی ناقابلِ یقین خبر دینے کی کوشش کرے گا، میں اس کا سر تن سے جدا کر دوں گا۔ حضور اکرم ﷺ کی حضرت عائشہؓ کے حجرے میں تدفین کر دی گئی۔ کچھ قبائل نے سمجھا کہ نبی کریم ﷺ کی وفات سے شاید معاذاللہ اسلام کا سورج بھی غروب ہو گیا اور زکوۃ دینے سے انکار کر دیا۔ نئے حاکمِ وقت کے لیے یہ عجیب امتحان تھا۔ تمام مشیر اور وزیر اس پہلی مرتبہ پیش آنے والی پریشان کن صورتِ حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ روم اور کسریٰ کی سپر طاقتیں للچائی ہوئی نظروں سے مدینہ کی چھوٹی سی ریاست کو دیکھ رہی تھیں۔ پھر نئے جانشین اور خلیفۂ اوّل نے ایک جرأت مندانہ فیصلہ کیا: جو شخص نبی کریم ﷺ کے زمانے میں زکوۃ میں ایک رسی بھی دیتا تھا اور اب وہ دینے سے انکار کرے گا تو میں اس کے خلاف بھی جہاد کروں گا۔“ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے کایا پلٹ گئی۔ چند ہی دِنوں میں جو لوگ اسلام سے سر کشی کرنا چاہتے تھے، دوبارہ پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو گئے اور جو عالمی طاقتیں اسلام کو تَر نوالہ سمجھنے لگ گئیں تھیں، ان کی امیدوں پر اوس پڑ گئی اور دیکھا جائے تو یہی وہ پہلا دانش مندانہ فیصلہ تھا، جس نے سلطنتِ اسلام کو صرف چند سالوں میں بائیس لاکھ مربع میل تک پہنچا دیا۔ کفر کا عالمی دباؤ تو ہر زمانے میں ہی رہا ہے اور مسلمان حکمران اور عوام بھی ہمیشہ اسے جوتے کی نوک پر رکھتے رہے ہیں مگر نبی کریم ﷺ ایک پیشین گوئی فرما گئے تھے کہ جب مومن کے دِل میں ”وَہن“ آ جائے گا تو پھر مسلمانوں کے لیے عالمی دباؤ برداشت کرنا مشکل ہو جائے گا۔ پوچھا گیا: ”وَہن“ کیا ہے یا رسول اللہ؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”دُنیا کی حرص اور موت سے غفلت۔“ پھر ہم ثرید کا پیالہ ہوں گے اور عالمی قوتیں ہمیں جیسے چاہیں گی، مل بانٹ کر کھائیں گی۔ دباؤ تو پاکستان اور تمام اسلامی ممالک پر بھی ہمیشہ سے رہا ہے اور اس دباؤ کے نتیجے میں بعض اوقات غلط فیصلے بھی ہوتے رہے ہیں، لیکن حکم رانوں میں غیرتِ اسلامی کسی نہ کسی درجے میں ہوا کرتی تھی اور انھیں اپنے فیصلے پر کچھ نہ کچھ شرم ساری بھی ہوا کرتی تھی۔ اگر وہ عالمی قوتوں کے سامنے سر اُٹھا کر بات کرنے کی جرأت نہیں رکھتے تھے تو وہ اپنی عوام کی آنکھوں سے آنکھیں بھی ملا نہیں پاتے تھے، مگر اب تو دیدہ دلیری ہے کہ اسلامی احکام کو پامال کیا جاتا ہے ”اسلام“ کا عنوان دے کر اور بیس کروڑ عوام کے جذبات سے کھلواڑ کیا جاتا ہے اور اسے ایک ”چھوٹے سے گروہ کی شر پسندی“ اور ”اسلام کے نام پر سیاست“ کا حسین لبادہ بھی اوڑھا دیا جاتا ہے۔ قارئین! اس وقت پاکستان اپنی تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر رہا ہے۔ پوری عوام کا اس پر اتفاق ہے کہ عالمی قوتیں، پاکستانی عوام اور پاکستانی اداروں کے بیچ نفرتوں کی دیواریں کھڑی کر کے ملک عزیز کو کم زور کرنا چاہتی ہیں، چناں چہ اہلِ پاکستان بیدار مغزی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور ہر اس شخص کی حب الوطنی کو شک کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں جو ریاست کے اعلیٰ اداروں پارلیمنٹ، عدلیہ اور افواج کے بارے میں نازیبا گفتگو کرتے ہیں، بلکہ اسے ملک سے غداری تصور کیا جاتا ہے، لیکن ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ہم پاکستانی ہونے سے بھی پہلے مسلمان ہیں اور ہمارا آئین بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ پاکستان میں سپریم قوتیں اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی ہیں۔ پھر جیسے ہم حب الوطنی کا معیار اداروں سے بے لوث وفاداری سمجھتے ہیں، تو اسلامی ریاست میں ایک مسلمان کی ”حبِ اسلام“ کا معیار تو اس سے بھی کہیں بڑھ کر اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے بے لوث وفاداری اور غیر متزلزل جاں نثاری ہونی چاہیے۔ یہ بات خوش آئند ہے کہ پاکستانی عوام اپنے نبی ﷺ کے ناموس پر ہمیشہ سے کسی بھی قسم کے دباؤ کو قبول نہیں کرتی، مگر حکم ران بعض اوقات دباؤ کو قبول کرتے ہوئے ایسی نادانیاں کر جاتے ہیں، جو ملک و ملت کے سفید دامن پر لگا ایک بدنُما دھبہ بن جاتی ہیں۔ ضرورت یہاں بھی بیدار مغزی کی ہے کہ ہم اپنی آنکھیں کھلی رکھیں اور ہر اس سازش کو ناکام بنانے کی کوشش کریں جو ملک و ملت کے خلاف کسی دباؤ کا نتیجہ ہو۔ والسلام

اخوکم فی اللہ

محمد خرم شہزاد

فہمِ قرآن

آلِ عمران:127-135

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ 127

ترجمہ...(اور جنگِ بدر میں یہ مدد اللہ نے اس لیے کی) تا کہ جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے‘
اس کا ایک حصّہ کاٹ کر رکھ دے یا ان کو ایسی ذلّت آمیز شکست دے
کہ وہ نامراد ہو کر واپس چلے جائیں۔ 127

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ 128

ترجمہ...(اے پیغمبر!) تمہیں اس فیصلے کا کوئی اختیار نہیں کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرے یا
ان کو عذاب دے‘ کیوں کہ یہ ظالم لوگ ہیں۔ 128

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ
يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ 129

ترجمہ...آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے‘ اللہ ہی کا ہے‘ وہ جس کو چاہتا ہے معاف کر دیتا
ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور
اللہ بہت بخشنے والا‘ بڑا مہربان ہے۔ 129

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً
وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ 130

ترجمہ...اے ایمان والو! کئی گنا بڑھا چڑھا کر سُود مت کھاؤ
اور اللہ سے ڈرو‘ تا کہ تمہیں فلاح حاصل ہو۔ 130

تشریح نمبر 1: اِمام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیرِ کبیر میں فرمایا ہے کہ جنگِ اُحد کے موقع پر مکہ کے مشرکین نے سود پر قرض لے کر جنگ کی تیاری کی تھی‘ اس لیے کسی مسلمان کے دل میں بھی یہ خیال ہو سکتا تھا کہ مسلمان بھی جنگ کی تیاری کے لیے یہی طریقہ اختیار کریں۔ اس آیت نے انھیں خبردار کر دیا کہ سود پر قرض لینا حرام ہے۔ یہاں سود کو کئی گنا بڑھا کر کھانے کا جو ذکر ہے‘ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کم شرح پر سود کی اجازت ہے‘ بلکہ اس وقت چوں کہ سودی قرضوں میں بکثرت یہی ہوتا تھا کہ سود اصل سے کئی گنا بڑھ جاتا ہے‘ اس لیے ایک واقعے کے طور پر یہ بات بیان کی گئی ہے‘ ورنہ سورۂ بقرہ (آیت 277 اور 278) میں صاف واضح کر دیا گیا ہے کہ اصل قرض پر جتنی بھی زیادتی ہو‘ وہ سود میں داخل اور حرام ہے۔

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ 131

ترجمہ...اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ 131

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ 132

ترجمہ...اور اللہ اور رسول کی بات مانو‘ تا کہ تم سے رحمت کا برتاؤ کیا جائے۔ 132

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ
اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ 133

ترجمہ...اور اپنے رب کی طرف سے مغفرت اور وہ جنت حاصل کرنے کے لیے
ایک دوسرے سے بڑھ کر تیزی دِکھاؤ‘ جس کی چوڑائی اتنی ہے کہ اس میں
تمام آسمان اور زمین سما جائیں‘ وہ اُن پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گی ہے۔ 133

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ
وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ 134

ترجمہ...جو خوش حالی میں بھی اور بد حالی میں بھی (اللہ کے لیے) مال خرچ کرتے
ہیں اور جو غصّے کو پی جانے اور لوگوں کو معاف کر دینے کے عادی ہیں۔
اللہ ایسے نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے۔ 134

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ
فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ
وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ 135

ترجمہ...اور یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر کبھی کوئی بے حیائی کا کام کر بھی بیٹھتے ہیں
یا (کسی اور طرح) اپنی جان پر ظلم کر گزرتے ہیں تو فوراً اللہ کو یاد کرتے ہیں
اور اس کے نتیجے میں اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں
اور اللہ کے سوا ہے بھی کون جو گناہوں کی معافی دے؟
اور یہ اپنے کیے پر جانتے بوجھتے اِصرار نہیں کرتے۔ 135

فہمِ حدیث

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

مسواک کی اہمیت اور فضیلت

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
السِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ وَمَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ

ترجمہ... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مسواک منہ کو بہت زیادہ پاک صاف کرنے والی اور اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ خوش کرنے والی چیز ہے۔“ (مسند احمد، سنن نسائی)

تشریح... کسی چیز میں حسن کے دو پہلو ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ دُنیاوی زندگی کے لحاظ سے فائدہ مند اور عام انسانوں کے نزدیک پسندیدہ ہو اور دوسرے یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبوب اور اجرِ اُخروی کا وسیلہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں بتلایا ہے کہ مسواک میں یہ دونوں چیزیں جمع ہیں، اس سے منہ کی صفائی ہوتی ہے، گندے اور مضر مادے خارج ہو جاتے ہیں، منہ کی بدبو زائل ہو جاتی ہے۔ یہ اس کے نقد دُنیوی فوائد ہیں اور دوسرا اُخروی اور اَبدی نفع اس کا یہ ہے کہ وہ اللہ کی رضا حاصل ہونے کا بھی خاص وسیلہ ہے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ:
لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِيْ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ

ترجمہ... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ میری امت پر بہت مشقت پڑ جائے گی تو میں ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حتمی امر کرتا۔“ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح... مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں مسواک کی محبوبیت اور اس کے عظیم فوائد دیکھتے ہوئے میرا جی چاہتا ہے کہ اپنے ہر اُمّتی کے لیے حکم جاری کردوں کہ وہ ہر نماز کے وقت مسواک ضرور کیا کرے، لیکن ایسا حکم میں نے صرف اس خیال سے نہیں دیا کہ اس سے میری امت پر بہت بوجھ پڑ جائے گا اور ہر ایک کے لیے اس کی پابندی مشکل ہو گی۔ غور سے دیکھا جائے تو یہ بھی ترغیب و تاکید کا ایک عنوان ہے اور بلا شبہ بڑا موثر عنوان ہے۔

فائدہ... اِسی حدیث کی بعض روایات میں ”عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ“ کے بجائے ”عِنْدَ كُلِّ وُضُوْءٍ“ بھی وارد ہوا ہے اور مطلب دونوں کا قریب قریب ایک ہی ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب السواک الرطب والیابس للصائم)

عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ:
مَا جَاءَنِيْ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَطُّ اِلَّا اَمَرَنِيْ بِالسِّوَاكِ
لَقَدْ خَشِيْتُ اَنْ اُحْفِيَ مُقَدَّمَ فِيَّ

ترجمہ... حضرت ابو امامہ باہلی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کے فرشتے جبرئیلؑ جب بھی میرے پاس آئے۔ ہر دفعہ انھوں نے مجھے مسواک کے لیے ضرور کہا۔ خطرہ ہے کہ (جبرئیلؑ کی بار بار کی اس تاکید اور وصیت کی وجہ سے) میں اپنے منہ کے اگلے حصّے کو مسواک کرتے کرتے گھسا نہ ڈالوں۔“ (مسند احمد)

تشریح... مسواک کے بارے میں حضرت جبرئیلؑ کی بار بار یہ تاکید و وصیّت دراصل اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے تھی اور اس کا خاص راز یہ تھا کہ جو ہستی اللہ تعالیٰ سے مخاطب اور مناجات میں ہمہ وقت مصروف رہتی ہو اور اللہ کا فرشتہ جس کے پاس بار بار آتا ہو اور اللہ کے کلام کی تلاوت اور اس کی طرف دعوت جس کا خاص وظیفہ ہو، اس کے لیے خاص طور سے ضروری ہے کہ وہ مسواک کا بہت زیادہ اہتمام کرے، اسی لیے حضور ﷺ مسواک کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔

Shangrila®
THE FOOD EXPERTS!
وہی اعلیٰ معیار
اب نیا انداز
Shangrila
SOY SAUCE
Authentic Taste
Shangrila
SYNTHETIC VINEGAR
Tangy Twist
Shangrila
WORCESTERSHIRE SAUCE
Traditional Recipe
Shangrila
CHILLI SAUCE
Sizzling Hot
www.shangrila.com.pk
ShangrilaPakistan

ناموسِ رسالت اور مسلمانوں کی بے چینی

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

وطنِ عزیز...اس وقت نازک صورتِ حالت سے گزر رہا ہے، جس سے ہر مسلمان اور ہر پاکستانی ایک پریشانی، ایک غم، ایک تکلیف اور ایک درد محسوس کر رہا ہے۔ ایک متنازع فیصلہ 31 اکتوبر کو آیا اور عجیب تاریخ ہے وہ...غازی علم الدین کی شہادت کا دن ہے۔ کیسی تاریخ کا انتخاب کیا...! انھیں عدالتوں کا فیصلہ تھا جو آٹھ سال پہلے سزائے موت سنائی گئی تھی اگر وہ فیصلہ غلط تھا تو یہ مظلوم ہوگئی تو اُن ججوں نے کیسا ظالمانہ فیصلہ دیا اور اگر وہ فیصلہ صحیح تھا تو پھر اس فیصلے کی کیا حیثیت ہوئی؟

وطنِ عزیز کے ساتھ یہ تماشہ کوئی آج سے نہیں ہے...اس ملک کے ساتھ یہ کھیل کوئی آج سے نہیں کھیلا جا رہا۔ مذہبی جذبات کو جس انداز سے مجروح کیا جاتا ہے، یہ سلسلہ سالہا سال سے چل رہا ہے۔ وہ بھی عدالت کا فیصلہ! اُس وقت سارے فیصلے ٹھیک تھے اور اب آٹھ سال کے بعد... کوئی دن کی بات نہیں، مہینہ نہیں، سال نہیں، آٹھ سال کے بعد وہ فیصلہ کالعدم کیا جاتا ہے اور عجیب بات ہے، جب کالعدم ہوتا ہے تو یو کے کی پارلیمنٹ خوشیاں مناتی ہے۔

ڈچ پارلیمنٹ کا آدمی، جس نے اللہ کے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے خاکوں کا اعلان کیا تھا، وہ خوشی کا اظہار کر رہا ہے۔ امریکی ادارے کہہ رہے ہیں، اچھا کیا ہے اور بھی بہت سارے فیصلے کرنے ہوں گے اور ان کا پرانا طرزِ عمل ہے: domore اور آگے بڑھو۔ کچھ اور آگے بڑھو اور آگے کہاں تک بڑھنا ہے...؟؟ اس قانون ہی کو ختم کر دو...!

اللہ کا کلام سچا ہے: وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ تم یہود و نصاریٰ کو راضی کرتے کرتے کہاں تک جاؤ گے؟ وہ نہیں راضی ہوں گے، جب تک کہ تم یہودی اور عیسائی نہ بن جاؤ۔ کس حد تک جاؤ گے؟ اُن کے کہنے پر تم نے اپنا نظامِ تعلیم بدل دیا...معاشی نظام بدل دیا...اقتصادی نظام بدل دیا...حکومت کا نظام بدل دیا...عدالتوں کا نظام بدل دیا...اپنی بیٹیوں کو آوارہ کر دیا...اپنے نوجوانوں کو نشے کا عادی بنا دیا...کیا کچھ نہیں کیا۔ اُن کے مطالبے مانے آپ نے...!! ایک سرمایہ صرف مسلمانوں کے پاس رہ گیا تھا "اللہ کے نبی ﷺ کے ساتھ محبت"، کا اب وہ اس پہ بھی ڈاکہ ڈالنا چاہتے ہیں۔

اس لیے کہ اللہ کے نبی ﷺ کی شان...اگر یہ مجروح ہوتی ہے تو نہ خدا کی خدائی رہتی ہے...نہ قرآن رہتا ہے...نہ وحی رہتی ہے...نہ دین رہتا ہے...نہ اسلام قابلِ اعتبار رہتا ہے...پھر کچھ بھی نہیں رہتا...!! یہ ایسے ہی نہیں ہے۔ بہت سادہ لوح مسلمان ہیں۔ ہر چیز میں رائے دینے لگتے ہیں۔

ہمارے ہاں ہر چیز کے ماہرین کی کونسل بن جاتی ہے، کمیٹیاں بن جاتی ہیں، لیکن دین کے معاملے میں ایسی کونسل کی ضرورت کیوں محسوس نہیں کی جاتی؟ کیا مذہب کوئی ایسی فضول چیز ہے؟ کوئی لاوارث چیز ہے؟ کہ اس کے لیے کسی کونسل کی ضرورت نہیں؟

میرے عزیزو! وطنِ عزیز کے تمام علما، تمام بزرگانِ دین اور خصوصاً وہ علما... جن کی زندگیاں مسلکی، سیاسی، گروہی تعصب اور مفادات سے بالا تر ہیں اور انھوں نے مسلمانانِ پاکستان اور امتِ مسلمہ کی ہمیشہ قرآن وحدیث کی روشنی میں صحیح راہ نمائی کی ہے۔ اُن کا کوئی سیاسی مفاد نہیں...کوئی مسلکی مفاد نہیں...وہ کسی گروہ سے تعلّق نہیں رکھتے۔ اُن سب کا یہ موقف ہے کہ یہ فیصلہ اہلِ اسلام کے لیے قابلِ قبول نہیں۔ اس میں ہمیں

کسی دانش ور کی رائے کی ضرورت نہیں ہے...کسی روشن خیال کی رائے کی ضرورت نہیں ہے...کسی وزیر اور حکمران کی رائے کی ضرورت نہیں ہے...ہمارے لیے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث کافی ہے اور اس کی سمجھ بوجھ رکھنے والے ہر دور میں اعتدال پسند علما' دین کی صحیح فہم رکھنے والے اور ہر مسلکی' گروہی' سیاسی مفادات سے بالاتر ہو کر' انھوں نے ہمیشہ مسلمانوں کی راہ نمائی کی ہے اور آج بھی الحمد للہ! وہ راہ نمائی کر رہے ہیں کہ یہ فیصلہ ناقابلِ قبول ہے مسلمانوں کے لیے...یہ ٹیسٹ کیس ہے اس حکومت کا' جو عالمی دنیا نے دباؤ ڈال کے ان کا کیا ہے۔ یہ ابتدا ہے' وہ ہمیشہ اس قسم کے ٹیسٹ کیس کرتے ہیں کہ کون کتنا دباؤ قبول کر سکتا ہے؟ کون کتنا وزن قبول کر سکتا ہے؟

بہت بڑا فتنہ ہے اس دور کا اور کفر کے غلبے کا...اس لیے کہ جب کفر سیاسی طور پہ' اقتصادی طور پہ' معاشی طور پہ' سماجی طور پہ' دفاعی طور پہ غالب ہوتا ہے تو پھر اس کے مختلف حربے ہیں۔ ایک حربہ ہے دھمکا کر' ڈرا کر' خوف زدہ کر کے کہ ماننی پڑے گی ہماری بات' ماننا پڑے گا ہمارا نظام اور ایک حربہ یہ ہوتا ہے کہ کچھ لینا ہے تو کچھ اور کرنا ہو گا۔ ترغیب...! لالچ...! کچھ اور آگے کرو۔

سبحان اللہ! عبد اللہ ابنِ حذافہ رضی اللہ عنہ صحابیِ رسول ہیں۔ رومیوں کے یہاں گرفتا ہو گئے۔ نبی ﷺ کی صحبت یافتہ ہیں۔ اللہ کے نبی ﷺ کی تربیت پائی ہوئی ہے۔ وقت کا رومی حکم ران سب سے پہلے ان کو ترغیب دیتا ہے' لالچ دیتا ہے۔ حکم رانی مل جائے گی...ملک کے ایک صوبے کے گورنر بنا دیے جاؤ گے۔ شہزادی بیٹی ہے۔ تیرے نکاح میں دے دوں گا۔ بس! ہماری بات مان لو۔ جب حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے انکار کیا تو حکم ران نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ ڈرایا' دھمکایا اور اپنے کارندوں سے کہا کہ اس کے ساتھیوں کے سامنے ایک تیل کی دیگ گرم کرو اور اسے مت ڈالنا' اسے صرف ڈراؤ' دھمکاؤ۔ اس سے ہم نے بڑا کام لینا ہے' اس لیے کہ اگر یہ ہمارے کام آ گیا تو ہمارے ہاتھ میں ایک بہت بڑا پروپیگنڈہ آ جائے گا۔ اس کے ساتھیوں کو ڈال دو۔ ایک کو ڈالا' دوسرے کو ڈالا' تیسرے کو ڈالا اور لمحوں میں ان کی ہڈیاں الگ' بال الگ' گوشت الگ۔ اب ان کی باری آئی۔ انھیں دیگ کے قریب کیا گیا تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ کارندے سمجھ گئے کہ خوف زدہ ہو گیا ہے۔ لگتا ہے مطالبہ مان لے گا۔ بات بن جائے گی۔ دربار میں لے جایا گیا کہ رو رہا ہے۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ اپنی زندگی سے' اپنے نظریے اور عقیدے سے دست بردار ہو جائے گا۔ بادشاہ نے کہا: "اب کیوں روتے ہو؟" تو کہنے لگے: "رونے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ گرم تیل میں میرا جسم جائے گا اور لمحوں میں میرا گوشت اور ہڈیاں الگ ہو جائیں گی۔ یہ رونے کی وجہ نہیں ہے۔ رونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ ایک جان ہے' جو نبی ﷺ کی محبت میں' نبی کے دین کی خاطر چلی جائے گی۔ تمنّا اور آرزو یہ تھی کہ جتنے جسم پہ بال ہیں کاش! کہ اُتنی ہی جانیں ہوتیں اور ہر جان کو نبی کریم ﷺ کے دین پر فدا کر دیتا۔" مسلمانوں کے پاس سب سے بڑا سرمایہ ایک ہی تو ہے...اپنے نبی ﷺ سے سچی وفاداری' عشق' عظمت اور محبت!!

عرصہ ہوا ہے۔ کفر! اپنی طاقت' اپنے وسائل' اپنی دھمکیوں اور اپنی ترغیبات کے ذریعے ہمارے شامتِ اعمال سے بننے والے حکم رانوں کو اسی انداز سے زیر کرتا رہتا ہے۔ کچھ اور...کچھ اور...کچھ اور...! اور ستّر سال سے ہم نے نہ حضور ﷺ کی زندگی اپنائی' نہ سیاسی نظام اپنایا' نہ عدالتی نظام اپنایا۔ ستّر سال ہو گئے' روز ایک نئی آفت اور ایک نئی مصیبت وطنِ عزیز میں کھڑی ہوتی ہے۔

میرے عزیزو! وہ اہلِ علم' وہ بزرگانِ دین جن کی زندگیاں ہمیشہ قرآن و حدیث کی روشنی میں مسلمانوں کی راہ نمائی میں گزری ہیں۔ ہر قسم کے تعصّبات سے' مسلکی مفادات سے بالاتر ہو کر جنھوں نے بات کی ہے اور آج بھی وہ مسلمانوں کی راہ نمائی کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کو اس قسم کے فیصلے قابلِ قبول نہیں اور کبھی بھی اہلِ علم اور اہلِ دین اس کی اجازت کیوں دے سکتے ہیں کہ مسلمانوں کے جان و مال کو نقصان پہنچایا جائے۔ یہ وطن ہمارا ہے۔ یہ ملک ہمارا ہے۔ اس کی حفاظت بھی ہماری ذمہ داری ہے' لیکن پُرامن بات سے پرامن احتجاج کے راستے کے علاوہ مسلمانوں کے پاس اور راستہ کون سا ہے؟ کسی کی جان' مال' عزت' آبرو...چاہے کسی ملک کی' چاہے کسی فرد کی...اس کو نقصان پہنچانے کی اجازت اسلام نہیں دیتا۔

لیکن بد قسمتی سے' ناعاقبت اندیشی سے ملک کے اندر اس قسم کے فیصلے آتے ہیں۔ جب اس قسم کے فیصلے آتے ہیں تو اہلِ علم کہاں جائیں؟ عموماً کہا جاتا ہے کہ علما آگے بڑھ کر ان چیزوں کو روکیں تو پہلے علما سے مشورہ کیوں نہیں کیا جاتا؟ پہلے اہلِ علم سے راہ نمائی کیوں نہیں لی جاتی؟ پہلے ان کی خدمت میں آ کے اس معاملے کی مشکلات اور دین کی روشنی میں مسئلہ کا حل کیوں نہیں پوچھا جاتا؟

میرے عزیزو! بد قسمتی ہے ہماری۔ شامتِ اعمال ہیں کہ ہمیں وہ حکم ران' وہ برسرِ اقتدار طبقہ عرصہ ہوا میسّر نہیں ہے' جو اللہ کے نبی ﷺ کے دین پر اور آپ ﷺ کی حرمت و عظمت پر اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کے لیے تیار ہو اور یہ ہماری شامتِ اعمال ہے۔ ہم نے بڑی امیدیں وابستہ کی ہوتی ہیں ہر ایک سے۔ بڑی امیدیں لگا رکھتے ہیں۔ بے چارہ مسلمان بڑا بھولا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ بہتر ہو! ہو سکتا ہے وہ بہتر ہو! ہو سکتا ہے اس سے اللہ کوئی کام لے لے۔ امیدیں لگائے بیٹھتے ہیں۔

میرے عزیزو! اس وقت اللہ کی بارگاہ میں دعائیں بھی ہوں اور ہر شخص اپنے اپنے دائرۂ کار میں اس احتجاج کو نوٹ کروائے۔ اللہ کرے حکمرانوں کو ہوش آ جائے۔ یہاں تو بسا اوقات تکبر' غرور' طاقت کا گھمنڈ یا یوں کہیے کہ بے حسی! تین سے چار دِن ملک کا پہیہ جام رہا' کوئی کاروبار نہیں ہوا اور ایسے موقع پر اس فیصلے کا آنا۔ آٹھ سال آپ نے انتظار کیا ہے' دس سال آپ نے انتظار کیا ہے' کون سی ایسی آفت آن پڑی ہے کہ یہ فیصلہ کرنا ہی تھا۔ کیا ملک اپنے پاؤں پہ کھڑا ہو چکا تھا؟ اس کی ساری ضروریات پوری ہو چکی تھیں؟ معاشی طور پر اس کے سارے مسائل حل ہو چکے تھے...؟ کیا تماشہ کیا جا رہا ہے اس قوم کے ساتھ۔

باقی اگر یہ خیال ہے کہ یہود و نصاریٰ کو راضی کر کے اُن کے یہاں عزت لے لی جائے اور ان سے وسائل لے لیے جائیں تو قرآن نے راہ نمائی کر دی ہے: اَیَبۡتَغُوۡنَ عِنۡدَهُمُ الۡعِزَّةَ فَاِنَّ الۡعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيۡعًا خیال رکھنا! اگر تم کفار کے یہاں عزت چاہتے ہو تو یاد رکھنا! ہمیشہ ذلیل و خوار ہو جاؤ گے...عزت کے خزانے صرف اللہ کے پاس ہیں۔

ان فیصلوں کے ذریعے...ایسے غلط فیصلوں کی حمایت کر کے...بے دین اور لادین طبقے اور کفار کے یہاں عزت چاہتے ہو؟ اور اگر یہ خیال ہے کہ وہ خوش ہو جائیں گے...ہمارے اقتصادی اور معاشی مسائل حل ہو جائیں گے...تو قرآن نے کہا ہے: وَلَنۡ تَرۡضٰى عَنۡكَ الۡيَهُوۡدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمۡ یہود و نصاریٰ کبھی تم سے راضی نہیں ہوں گے۔ ہاں! یہ کہ تم بھی یہود و نصاریٰ کا راستہ اختیار کر لو۔ قرآن ہے۔ اللہ کی کتاب ہے۔ قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے راہ نمائی ہے' اس سے روشنی لے لیجیے اور اسے سامنے رکھ کر اپنے ملک کو چلایے' اپنے عدالتی نظام کو چلایے۔ خدارا!! اپنے ملک پر اور مسلمانانِ پاکستان پر رحم کیجیے۔

مذہب اسلام اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ یہ وہ پاکیزہ مذہب ہے جس پر ایمان لانے کے بعد انسان نے اپنے رب کو پہچانا، گمراہی کے گھٹاٹوپ اندھیروں سے نکل کر ایمان کی روشنی میں پناہ گزیں ہوا اور اللہ کا ولی کہلایا، چناں چہ ارشادِ ربّانی ہے:

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (البقرہ: 257)

”اللہ ایمان والوں کا رکھوالا ہے، وہ انھیں اندھیریوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کے ہاں ایمان کی بڑی قدر ہے اور جو مسلمان ایمان کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوگا، اس کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کی جنت کا وعدہ اللہ نے لیا ہے، فرمایا: اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا اور شیطان کے بہکاوے میں آکر ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھا تو ہمیشہ ہمیشہ کی ظلمت اور تاریکی اس کے مقدر میں لکھ دی جاتی ہے۔

مسلمان عقیدۂ توحید والا ہوتا ہے اور یہی عقیدہ اور ایمان اس قوم کی مذہبی، تہذیبی، ثقافتی اور معاشرتی بقا اور سلامتی کی علامت ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دشمنانِ اسلام اپنی پوری قوت اور ہر قسم کی طاقت اُمّتِ مسلمہ کے ایمان کو خراب کرنے اور اس کے یقین

خَالِفُوا الْمَجُوْسَ... خَالِفُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی... کہ یہ یہود و نصاریٰ، یہ مشرکین، یہ مجوس تمہارے دوست اور خیر خواہ کبھی نہیں بن سکتے، لہٰذا ان کی پیروی مت کرنا، کیوں کہ مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ ...جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا، وہ انہی میں سے ہوگا۔

آج مقامِ افسوس یہ ہے کہ ہم اپنے دشمن کو جو آستین کا سانپ بنا ہوا ہے، پہچان نہیں پا رہے، یہی وجہ ہے کہ ہم بعض اوقات، نہیں، بلکہ عام طور پر ان کے ہر پروگرام کو بے سوچے سمجھے اپنا پروگرام سمجھ بیٹھتے ہیں، ان کے تہوار کو اپنا تہوار سمجھ کر منانے لگ جاتے ہیں اور یوں نا چاہتے ہوئے بھی ہم خود ہی اسلام کو ڈھانے والے بن جاتے ہیں۔

عیسائی قوم 25 دسمبر کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی خوشی اور عید مناتی ہے۔ وہ اس دن گھروں کو سجاتے، نئے کپڑے پہنتے، گانے بجاتے اور موسیقی میں مست ہو جاتے ہیں اور ہمارے بھولے بھالے مسلمان بھی دیکھا دیکھی ان کی خوشی میں شریک ہو جاتے ہیں، تحفے تحائف کا تبادلہ ہوتا ہے اور ان کے پروگراموں میں

کو بگاڑنے میں لگا رہے ہیں، کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ مسلمان اگر اپنے ایمان سے گیا تو نہ اس کی شجاعت باقی رہے گی اور نہ ہی ہیبت و شوکت۔

قرنِ اوّل سے ہی مسلمان ایمان کی بدولت اپنی جرأت و بہادری کا لوہا منواتا چلا آیا ہے اور بڑے بڑے معرکے اور غزوات سر کرتا چلا آیا ہے۔ اللہ کی طرف سے موقع بہ موقع نصرت و مدد بھی اسی ایمان کی بدولت مسلمان کا مقدر بنی۔ جنگِ بدر جیسا ایمان و کفر کے مابین عظیم معرکہ ہو یا جنگِ احد جیسی کامیاب لڑائی یا پھر جنگِ یرموک میں صحابہ (رضی اللہ عنہم) کی عظیم قربانی ہو، سب ایمان کی لازوال و ناقابلِ فراموش داستانیں ہیں۔

بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے

اللہ کے نبی ﷺ نے 1400 سال پہلے فرمادیا تھا خَالِفُوا الْمُشْرِکِیْنَ...

باقاعدہ شرکت ہوتی ہے... جب کہ حضرت انس رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو اہلِ مدینہ سال میں دو تہوار منایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ”یہ دن کیسے ہیں؟“ عرض کیا گیا: ”ہم قبل از اسلام ان دو تہواروں میں خوشی منایا کرتے تھے اور کھیل کود کیا کرتے تھے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کے بدلے میں دو بہترین دن عطا کیے ہیں: عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔“ بس صحابہ کرامؓ نے اسی دن سے باقی سب تہواروں کو چھوڑ کر انہی دو تہواروں کو تھام لیا اور پوری دُنیا پر چھا گئے۔

قارئین! ہمیں بھی اسلام کے سنہری اصولوں کو اپنانا چاہیے اور اپنے لیے نبی ﷺ کے طریقے میں ہی کامیابی سمجھنی چاہیے۔ کیسی ہی پیاری بات کہی ہے شاعر نے:

اپنی مٹی پہ چلنے کا سلیقہ سیکھو!
سنگِ مرمر پہ چلو گے تو پھسل جاؤ گے

/perfectairfreshener

Perfect® Matic

Automatic Room Spray

with adjustable Timmer & Sensor

Perfect Matic offer a unique fragrance experience that blends attractive design with motion-sensor technology that allows the unit to spray on desired time selector.

Equipped with motion sensor technology, sprays automatically in 15, 20, or 30 minutes depending on the switch setting. The automatic dispenser is a modern and compact way to freshen your environment without the hassle of personal engagement.

The unit also comes with a boost button that can be press at any time for an extra burst of fragrance. Choose from a variety of quality Perfect fragrances.

With 3000 sprays

Quickly | Quietly | Automatically

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ

حق گو، عابد و زاہد

محمد حذیفہ رفیق

مالک بن دینارؒ توکّل اور زہد کے امام تھے 'اس کے باوجود وہ اپنے معاش اور روزگار کے واسطے محنت کرنے کے عادی تھے۔ وہ قرآنِ پاک کی کتابت کیا کرتے تھے۔ چار ماہ میں ایک قرآن پاک لکھتے 'اس کا جو ہدیہ ملتا' اِسی پر ان کا گزر بسر ہوتا۔ یہ رقم چار ماہ کے لیے بہت کم تھی 'اس لیے کچھ بچنے کا تو سوال ہی نہیں 'بلکہ بسا اوقات فاقوں تک نوبت چلی جاتی 'لیکن کسی سے سوال تو درکنار للچائی ہوئی نظر بھی کسی کے مال کی طرف نہ اٹھاتے 'بلکہ وہ تو مال داروں کی حالت پر اظہارِ افسوس کرتے اور فرماتے: ''یہ دنیا والے دنیا کی لذیذ چیز سے محروم رہ کر دنیا سے گزرتے چلے جا رہے ہیں۔'' کسی نے پوچھا: ''وہ لذیذ ترین چیز کیا ہے؟'' تو فرمایا: ''وہ اللہ کی معرفت (یعنی اللہ کو پہچاننا) ہے۔'' اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ لذیذ ترین چیز نصیب فرمادے۔ آمین

ایک مرتبہ فرمایا: ''یہ نعمتوں میں رہنے والوں کو اللہ کے ذکر جیسی نعمت کہاں نصیب ہو سکتی ہے؟'' اور خود کی حالت یہ تھی کہ ایک دن فرمایا: ''اللہ کی قسم! آج صبح میری ملکیت میں ایک دینار اور ایک درہم بھی نہیں تھا اور نہ ہی ایک کوڑی تھی' (لیکن بات دراصل یہ ہے کہ) اگر میں اللہ تعالیٰ کے یہاں اچھا بندہ نہیں ہوں تو نہ دنیا میں میرے لیے کوئی بھلائی ہے' نہ آخرت میں!'' کئی دفعہ ایسا ہوتا کہ صرف دو درہم ان کے پاس ہوتے۔ ایک سے صفحات خریدتے اور دوسرے سے قلم کی لکڑیاں۔

حضرت حارثؒ کہتے ہیں: ''میں مکہ مکرّمہ سے مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کے لیے چمڑے کا ایک پیالہ ہدیہ لے کر آیا' انھوں نے اسے قبول کر لیا۔ چند روز بعد میں ان کی مجلس میں حاضر ہوا اور بیٹھ گیا۔ مجلس برخاست ہونے پر انھوں نے مجھے بلایا اور فرمایا: ''حارث! وہ

پیالہ تم واپس لے جاؤ اور سنو! (ناراض مت ہونا) بات یہ ہے کہ اس پیالے نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ میں جب بھی مسجد میں آتا ہوں تو شیطان میرے پاس آتا ہے اور کہتا ہے: "مالک! وہ پیالہ چوری ہو گیا۔"

سلّام بن مسکینؒ کہتے ہیں: ہم مالک بن دینارؒ کے گھر گئے تو دیکھا کہ گھر میں لکڑی کی ایک چارپائی پڑی ہے، جس میں رسّے بندھے ہوئے ہیں، اس پر ایک بوری بچھی ہوئی ہے اور یہی ان کا بستر ہے، جس پر وہ دراز ہیں اور سر کے نیچے ایک چادر کا ٹکڑا طے کر کے رکھا ہوا ہے، ساتھ ہی ایک مٹکا اور پیالہ پڑا ہے۔

ہمیں دیکھ کر آپؒ نے آنکھیں کھولیں اور دیوار کا سہارا لے کر بیٹھ گئے، پھر تکیے کے نیچے سے دو سوکھی روٹیاں نکالیں اور اسے توڑ توڑ کر پانی میں بھگونے لگے۔ جب روٹی اچھی طرح بھیگ گئی تو ایک لٹکی ہوئی تھیلی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: "یہ تھیلی لے آؤ۔" اس میں سے نمک نکال کر ساتھ رکھا، پھر مجھ سے فرمایا: "آؤ! تم بھی چکھ لو۔" میں نے کہا: "ابو یحییٰ! مجھے بھوک نہیں ہے۔" اس پر فرمانے لگے: "ہاں! بہت مشکل ہے۔ بڑا بھاری ہے یہ کھانا۔ تم اچھی اچھی لذیذ غذاؤں کے عادی ہو۔ یہ کیسے حلق سے اترے گا؟"

اور فرماتے تھے: "ہم سب نے دنیا کی محبت پر اتفاق کر لیا ہے۔ نہ ہی کوئی امر بالمعروف (اچھی بات کا حکم) کرتا ہے اور نہ ہی کوئی نہی عن المنکر (برائیوں سے ایک دوسرے کو روکتے ہیں) کرتا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ ہمیں اس حال پر چھوڑ دیں گے؟ نہ جانے (ہم پر) کون سا عذاب نازل ہوگا؟"

اسی غم میں بے چین رہتے تھے اور اسی فکر میں گُھلے جاتے تھے۔ ایک دفعہ فرمانے لگے: "اگر مجھے کچھ ساتھی میسّر آجائیں تو میں راتوں کو بصرہ کے مینار پر چڑھ کر یہ آواز لگاؤں... آگ سے بچو! آگ سے ڈرو!"

جنت اور جہنم اور اس کے مناظر ایسے ان کے سامنے تھے، گویا وہ ان کو دیکھ رہے ہوں۔ اسی لیے جب محراب میں نوافل کے لیے کھڑے ہوتے تو فرماتے: "اے میرے رب! آپ جنت والوں کو بھی جانتے ہیں اور جہنم والوں کو بھی۔ مالک کا نام کس فہرست میں ہے...؟؟" یہ کہہ کر خوب روتے۔

ایک دفعہ آپؒ کے گھر چور گھس آیا۔ اس بے چارے کو کیا خبر تھی کہ وہ وہاں آگیا ہے، جہاں لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ گھر میں کچھ ہوتا تو وہ چوری کرتا نا! جب کافی تلاش کے بعد کوئی کام کی چیز نہ ملی تو وہ جانے کے لیے پلٹا ہی تھا کہ پیچھے سے حضرت مالکؒ نے آواز دی: "او بھائی!!"

اس نے گھوم کر مالکؒ کی طرف دیکھا تو وہ شفقت بھرے لہجے میں اس سے گویا ہوئے اور فرمانے لگے: "تمہیں یہاں دنیا کی تو کوئی چیز نہیں ملی۔ کیا آخرت کا خزانہ لوگے؟" نہ جانے اس آواز میں کیا کشش اور کیا درد تھا... اس گفتگو کے پیچھے نامعلوم کتنی راتوں کی آہیں اور کتنی خلوتوں کے آنسو پنہاں تھے۔ یہ چند الفاظ اس کے دل کے پردوں کو چیرتے ہوئے اندر اُترتے چلے گئے، وہ بے ساختہ بول اٹھا: "کیوں نہیں!" حضرت مالکؒ نے انتہائی محبت کے ساتھ فرمایا: "بھائی! وضو کر لو اور دو رکعت نماز پڑھ لو۔" اس نے وضو کیا، نماز پڑھی۔ اتنے میں فجر کی اذان ہو گئی، پھر اس کو اپنے ساتھ لے کر مسجد چلے گئے اور نماز ادا فرمائی۔ کسی نے پوچھا: "یہ کون ہے؟"

فرمایا: "یہ چوری کرنے آیا تھا۔ ہم نے اس کو چوری کر لیا۔"

جس دل میں اللہ کا خوف بیٹھ جائے، اس دل سے مخلوق کا خوف نکل جاتا ہے، پھر وہ شخص اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا اور نہ ہی کسی سے امید رکھتا ہے۔ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ بھی ان ہی لوگوں میں سے تھے۔

ایک دفعہ شہر کا گورنر اپنے لاؤ لشکر سمیت متکبرانہ انداز میں راستے سے گزر رہا تھا۔ مالک بن دینارؒ نے ٹوکا: "کیا تجھے نہیں معلوم کہ یہ چال اللہ کو پسند نہیں ہے؟"

اس نے طیش میں آکر کہا: "جانتے نہیں میں کون ہوں؟"

مالکؒ نے اطمینان سے جواب دیا: "کیوں نہیں...! خوب جانتا ہوں۔ تُو اپنی ابتدا میں ایک گندا قطرہ تھا... تیرا انجام ایک بدبودار لاش ہے اور اس کے درمیان تُو گندگی اپنے ساتھ لیے پھرتا ہے۔"

یہ جملے بہت سخت اور بھاری ہیں۔ کوئی عام آدمی بھی ان کو برداشت نہیں کر سکتا، چہ جائیکہ وقت کا گورنر، لیکن دل کو دل سے راہ ہوتی ہے، عمل والوں کی زبان میں تاثیر ہوتی ہے اور اللہ کے لیے قربانیاں دینے والوں کا ایک ایک جملہ اللہ تعالیٰ پُر اثر بنا دیتا ہے۔ اس پر شرمندگی چھا گئی، وہ معذرت خواہانہ لہجے میں کہنے لگا:

"آپ نے مجھے بالکل درست پہچانا۔"

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کی بات میں جو غیر معمولی اثر تھا اور لوگوں کے دلوں میں جو ان کی بے انتہا محبت تھی، اس کی سب سے بڑی وجہ ان کا اللہ سے تعلق تھا اور اللہ سے تعلق پیدا کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ، وہ اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونا ہے۔

مالک بن دینارؒ کی رات کے معمول کے متعلق ان کے بہنوئی مغیرہؒ فرماتے ہیں: "میرا گھر، مالک بن دینارؒ کے گھر کے قریب ہی تھا۔ ایک دن میں نے سوچا کہ اگر مالکؒ دنیا سے رخصت ہو گئے اور مجھے ان کے پڑوس میں رہتے ہوئے ان کے رات کے اعمال کا پتا نہ چل سکا تو یہ بڑی محرومی ہوگی، چناں چہ سردیوں کی لمبی راتوں میں سے ایک رات عشاء کی نماز کے بعد میں بڑی سی موٹی چادر اوڑھ کر مالکؒ کے گھر کی چوکھٹ پر بیٹھ گیا۔ مالکؒ نے پانی میں بھگوئی ہوئی روٹی لی، اس کے ٹکڑے کیے، پھر اطمینان سے اسے نوش فرمایا۔ یہی ان کا رات کا کھانا تھا۔ اس کے بعد نماز کے لیے کھڑے ہو گئے، پھر بہت لمبی نماز پڑھی، یہاں تک کہ دروازے پر بیٹھے بیٹھے ہی میری آنکھ لگ گئی۔ معلوم نہیں کتنی دیر بعد میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ وہ اسی طرح زار و قطار رو رہے ہیں اور فجر کی اذان تک نماز پڑھتے رہے۔ اذان کی آواز سنتے ہی میں نے سوچا کہ اگر یہ فجر کے لیے باہر تشریف لے آئے اور مجھے دیکھ لیا تو ہمیشہ کے لیے مجھ سے ناراض ہو جائیں گے، اس لیے میں جلدی سے گھر لوٹ آیا۔"

پوری رات اللہ کے سامنے کھڑے رہنا، یہ تو یقیناً اعلیٰ درجے کی عبادت اور بندگی ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ نماز دنیا کی لذیذ ترین چیز ہے۔ ہم کم از کم یہ نیت کر لیں کہ روزانہ آدھا گھنٹہ نوافل کو دیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے آگے کھڑے ہونے اور سجدے کرنے کی لذّت نصیب فرمائے۔ آمین

وفات: انتقال کے وقت جسم سے روح نکل رہی تھی، اسی حالت میں آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور کہنے لگے: "اے اللہ آپ کو معلوم ہے کہ مجھے دنیا کی زندگی اپنی شہوت یا پیٹ کے لیے پسند نہیں تھی!" وفات سے پہلے پھر دوبارہ آنکھیں کھولیں اور فرمانے لگے: "اس دن کے لیے تو ابو یحییٰ نے زندگی بھر محنتیں کی تھیں!" 127ھ میں مالک بن دینارؒ دنیا کی تکلیفوں اور مشقتوں سے آزاد ہو کر اپنی آخری منزل اور ابدی ٹھکانے کی طرف روانہ ہو گئے، جہاں کے لیے انھوں نے ساری زندگی قربانیاں اٹھائی تھیں اور مشقتیں جھیلی تھیں۔

اللہ تعالیٰ مالک بن دینارؒ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ہمارے تعلقات اور اخلاقیات

اویس ارشد

ہمارا سوال واقعی بہت اہم تھا' جسے سن کر بابا جی مسکرا دیے۔ دراصل ہم تین دوستوں نے بابا جی کی دانائی' بزرگی' فراست اور بصیرت کی بہت شہرت سنی ہوئی تھی' اسی لیے کافی لمبا سفر طے کر کے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ جب ہم کمرے میں داخل ہوئے تو بابا جی وعظ فرما رہے تھے اور لوگ انتہائی توجہ سے ان کی باتوں کو سن رہے تھے' ان کے وعظ کا موضوع "حقوق العباد" تھا۔ ہم دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوئے اور انتہائی ادب سے ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ بابا جی کا انداز انتہائی دل نشین' محبت بھرا اور مشفقانہ تھا' جس میں ڈانٹ ڈپٹ تھی اور نہ ہی طعن و تشنیع۔ خلوص' ہمدردی' مٹھاس اور پیار بھرے بول کانوں میں رس گھول رہے تھے اور دلوں میں عمل کا جذبہ پیدا کر رہے تھے۔ قرآنی آیات' احادیثِ مبارکہ' قیمتی اقوال اور آزمودہ تجربات نے وعظ کو چار چاند لگا دیے تھے۔ وعظ ختم ہوا تو سوالات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ لوگ مختلف قسم کے سوالات کرنے لگے اور بابا جی انتہائی متانت سے ان کے جوابات دینے لگے۔ ہر کوئی اپنا دُکھڑا سناتا جاتا اور بابا جی مسکراہٹ سجائے انتہائی اطمینان سے' اس کو سمجھاتے اور اس کا حل بتا دیتے۔ ہم نے بھی موقع پا کر ایک سوال کر دیا' جسے سن کر بابا جی مسکرا دیے۔ ان کی مسکراہٹ اتنی خوب صورت تھی کہ دل چاہا کہ وہ جواب دینے کے بجائے صرف مسکراتے ہی رہیں اور ہم ان کی مسکراہٹ میں ہی کھوئے رہیں۔ ہمارا سوال یہ تھا کہ "آپس کے تعلقات کے کیا اصول ہونے چاہییں؟ تعلقات کی کام یابی کے کیا تقاضے ہوتے ہیں؟ اور تعلقات کو ٹوٹنے سے کیسے بچایا جاسکتا ہے؟؟"

بابا جی مسکرائے' ایک لمبی سانس لی اور دل کے اندر تک جھانکنے والی گہری آنکھوں سے ہماری طرف دیکھ کر فرمانے لگے: "دیکھو بیٹا! ہر معاشرہ کچھ خاندانوں سے مل کر بنتا ہے اور خاندان کئی گھرانوں کے مجموعے کو کہا جاتا ہے اور گھرانہ افراد سے مل کر بنتا ہے اور افراد کے لیے کم از کم دو بندوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک "میں" اور دوسرے "آپ"۔ گویا کہ معاشرے کی بنیاد "میں" اور "آپ" ہیں' جب تک ہر ایک "میں" اور "آپ" ٹھیک نہیں ہوتے' تب تک "معاشرہ" ٹھیک نہیں ہو سکتا۔"

بابا جی کی بات میں وزن تھا اور انداز بھی دل کش اور عام فہم تھا۔ ہم دو زانوں بیٹھے یکسوئی سے ان کی باتیں سن رہے تھے۔ انھوں نے پانی کا گلاس اٹھایا اور دو گھونٹ پی کر واپس رکھ دیا' پھر فرمانے لگے: "بیٹا! "میں" سے مراد تو ہر بندے کی اپنی ذات ہے اور "آپ" سے مراد اس کی بیوی' بچے' والدین' دوست' یار' رشتے دار اور متعلقین وغیرہ ہیں' جب تک ہر "میں" کا تعلق ہر "آپ" سے ٹھیک نہیں ہوگا' تب تک معاشرہ ٹھیک نہیں ہو سکتا...!"

" اور یہ تعلق کیسے ٹھیک ہوگا؟؟" میں نے انتہائی ادب سے پوچھا۔

"یہ تعلق تب ٹھیک ہوگا' جب ہر "آپ" کے چار تقاضے پورے کیے جائیں گے اور یہ چار تقاضے جس قدر پورے ہوں گے' تعلقات اتنے ہی مضبوط ہوں گے اور جس قدر اَدھورے ہوں گے' اتنے ہی تعلقات بھی اَدھورے ہوں گے۔" بابا جی فرمانے لگے۔

پہلا تقاضا' بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت خرچ کرنا ہے۔ ہر بندہ کو چاہیے کہ وہ دوسرے پر اپنے حلال مال میں سے' کسی بھی قسم کی احسان مندی' شکریہ یا واپسی کی امید رکھے بغیر خرچ کرے اور یہ خرچ کرنا ہدیہ کی صورت میں ہو یا ضروریات کو پورا کرنے کی صورت میں' خدمت کی صورت میں ہو یا اعزاز و اکرام کی صورت میں' کیوں کہ حدیثِ پاک میں

محبت بڑھانے کے لیے ہدیہ دینے کا حکم آیا ہے اور حلال مال سے خرچ کرنا تعلقات کے نباہ کے لیے ایسے ہے، جیسے کھیتی کے لیے پانی۔ پانی جتنا صاف، شفّاف اور پاک ہوگا، کھیتی اتنی اچھی اور صحت مند ہوگی اور پانی جتنا گدلا، گندا اور ناپاک ہوگا، کھیتی اتنی خراب اور بے کار ہوگی۔ ایسے ہی مال جتنا حلال ہوگا تعلقات اتنے پاکیزہ اور برکت والے ہوں گے اور حرام مال سے کبھی بھی پیار، محبت اور خلوص جیسی نعمتیں نہیں خریدی جاسکتیں۔" بابا جی سانس لینے کے لیے رُکے، ان کے لہجے میں خلوص، ہمدردی اور پیار بول رہا تھا، جو ہمیں اپنے سحر میں جکڑے ہوئے تھا۔ بابا جی کچھ دیر خاموش رہے اور ہم ٹکٹکی باندھے ان کے تراشیدہ لبوں کو دیکھ رہے تھے کہ کب وہ حرکت کریں اور محفل ایک بار پھر باغ و بہار ہو، پھر اچانک سکوت ٹوٹا اور بابا جی نے فرمایا:

"بیٹا!! دوسرا تقاضا آپس کے تعلقات کا یہ ہے کہ ہر "میں"، ہر "آپ" کو توجہ دے۔ توجہ کا مطلب یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کا دوسرے کی ہر چیز اور ہر کام کے ساتھ کوئی تعلق، واسطہ ہونا چاہیے۔ یہ تعلق، واسطہ دوسرے کے مقام و مرتبہ اور قربت کے لحاظ سے کم اور زیادہ ہوسکتا ہے۔ اگر آپ بیٹی یا بیٹے ہیں تو آپ کے والد، والدہ کا آپ کی ہر چیز اور ہر کام کے ساتھ تعلق ہونا چاہیے، انھیں آپ کی پڑھائی لکھائی، کھیل کود، دوست یار، تنہائی و محفل اور پسند نہ پسند کا پتا ہونا چاہیے اور آپ کا ہر عمل ان کے مشورے کے تابع ہونا چاہیے۔

بیٹا!! حلال مال اور توجہ، ان دونوں کا آپس میں انتہائی گہرا رشتہ ہے۔ یہ جو ماؤں کے لاڈلے بگڑتے ہیں نا، یہ وہی لاڈلے ہوتے ہیں، جن پر پیسہ تو خوب خرچ کیا گیا ہوتا ہے، پر توجہ نہیں دی گئی ہوتی۔ ایسے ہی ماں باپ کے مقام اور مرتبے کے لحاظ سے ان کا خیال رکھنا اور ان کی ضروریات کے لیے فکر مند رہنا اُخروی نجات اور دنیاوی برکات کے لیے ضروری ہے۔ یہی حال بہن، بھائی، بیوی وغیرہ کا ہے۔ ان سب تعلقات کی بقا کے لیے "توجہ" آبِ حیات کی مانند ہے اور "بے توجہی" کینسر کی مانند۔ اسی طرح بقیہ تمام رشتے ناطے، دوستیاں، یاریاں بھی توجہ کی پیاسی ہوتی ہیں، اگر بروقت ان کی سیرابی کا انتظام نہ کیا جائے تو یہ گلستان مرجھا جاتا ہے اور ٹھنڈی میٹھی ہواؤں، لہلہاتے درختوں، مہکتی کلیوں، شیریں چشموں کی جگہ جھاڑ جھنکاڑ لے لیتی ہے۔

بدبودار، متعفّن پانی زندگیوں کو نگل جاتا ہے، کانٹے دار پودے لہولہان کر دیتے ہیں اور زندگی مایوس، اداس اور بدحال ہو جاتی ہے، اس لیے بیٹا!! توجہ ہی ہر رشتے کو حیاتِ جاوداں بخشتی ہے اور بے توجہی آبِ حیات میں بھی زہر گھول دیتی ہے۔" بابا جی کی باتیں ان کے تجربات اور مطالعے کا نچوڑ تھیں، جن میں وزن تھا اور صداقت بھی۔ وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہو رہا تھا۔ بابا جی بولے جا رہے تھے اور ہم ان کی باتوں کی گہرائی میں گم، انہماک سے انھیں سن رہے تھے۔

"بیٹا! تیسری چیز قربانی ہوتی ہے۔" بابا جی نے کہنا شروع کیا: "رشتے ناطے، دوستیاں اور تعلقات نبھانے کے لیے بہت سی چیزوں کی قربانی دینی پڑتی ہے۔ یہ قربانی کبھی اپنے جذبات کی دینی پڑتی ہے، کبھی احساسات کی، کبھی مزاج کی، کبھی راحت و آرام کی، کبھی مال و دولت کی، تب کہیں جا کر رشتے نبھتے ہیں، دوستیاں پروان چڑھتی ہیں، تعلقات کی کلیاں گلِ گلستان بنتی ہیں اور معاشرے میں پیار محبت کی خوش بو مہکتی ہے۔

بیٹا!!! ارسطو کہا کرتا تھا کہ زندگی کی سب سے بڑی کامیابی نفس کو مغلوب کر کے لوگوں کا دل جیتنا ہے۔ جو بندہ نفسانیت پر قابو پا کر، دوسروں کو خوش کرنا سیکھ لیتا ہے، وہ زندگی میں کبھی شکست نہیں کھاتا اور جو نفس کے ہاتھوں ہار جائے، وہ بدکے ہوئے اونٹ کی طرح ہوتا ہے جو اپنا بھی نقصان کرتا ہے اور دوسروں کا بھی۔

بیٹا! چوتھی چیز دعا ہے۔ دعا عبادت کا مغز ہوتی ہے۔ ساری عبادتوں اور ریاضتوں سے مقصود رب کی رضا اور دعاؤں کو طاقتور بنانا ہے، اس لیے ہمیں دعا مانگنے میں کنجوسی نہیں کرنی چاہیے۔ اپنے لیے اور سب کے لیے دعائیں مانگنی چاہییں، اس سے ہماری محبتیں بھی بڑھیں گی اور رحمتیں اور برکتیں بھی نازل ہوں گی۔ دعا میں کثرت (زیادتی) نہیں مانگنی چاہیے، بل کہ برکت مانگنی چاہیے۔ برکت والی جان، برکت والا مال، برکت والی عزت و آبرو، برکت والی اولاد، برکت والے تعلقات، برکت والی ملازمت، برکت والی تعلیم، برکت والے نمبرات، برکت والی ڈگریاں، برکت والا کاروبار اور برکت والی زندگی۔ کثرت، برکت کے بغیر کچھ نہیں ہوتی اور برکت، کثرت کے بغیر بھی سب کو کافی ہو جاتی ہے۔"

"لیکن بابا جی...! ہم سب دعائیں کرتے ہیں، لیکن وہ قبول نہیں ہوتیں؟" میں نے سوال کیا۔ "اصل میں ہماری وہ دعا قبول نہیں ہوتی جو ہم نے "مانگی" نہیں ہوتی، بل کہ "کہی" ہوتی ہے۔ بیٹا!! دعا مانگنے میں اور دعا کہنے میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ بے دھیانی، بے توجہی اور آداب کی رعایت کیے بغیر دعا کرنے کو "دعا کہنا" بولتے ہیں اور خشوع و خضوع، آہ و زاری اور دل و دماغ کو حاضر رکھ کر جو دعا کی جاتی ہے، اسے "دعا مانگنا" کہتے ہیں۔ ہم دعائیں "کہتے" ہیں "مانگتے" نہیں، اگر مانگیں تو ضرور قبول ہوں، اس لیے تعلقات کی کامیابی میں چپکے چپکے، پیٹھ پیچھے اور خلوصِ دل سے مانگی جانے والی دعاؤں کا بھی دخل ہے۔" یہ کہہ کر بابا جی خاموش ہو گئے۔

بابا جی کی باتیں ہمارے دل پر ایسے اثر کر رہی تھیں، جیسے جون جولائی کی تپتی دوپہر میں زمین پر بارش اثر کرتی ہے۔ بابا جی کے چاروں اصول ہم نے اپنے پلّے باندھے، ان پر عمل کرنے کا عزم لیے نہ چاہتے ہوئے بھی بابا جی کو الوداع کر آئے اور سارے راستے سوچتے رہے کہ اگر ہمارے نوجوانوں سے لے کر بڑوں تک، سب لوگ اپنے تمام معاملات میں اپنے نیک بزرگوں کو رہنما بنالیں تو ہماری تمام الجھنیں سلجھ سکتی ہیں اور مشکلات حل ہو سکتی ہیں۔

New
Zaiby Jewellers
Clifton

Majestic world of
Royal Jewellery
for **you**

021 35835455, 35835488
newzaibyjewellers
newzaibyjewellers@gmail.com
S-11, Yousuf Grand Square, Block 8, Clifton, Khi.

کتب بینی ایک عشق ہے ' جنون ہے ' نہ مٹنے والی پیاس ہے ' قدرت جسے عطا کرے۔ وہ بادل کی طرح ابھرتا ہے ' پھیلتا ہے ' چمکتا ہے ' برستا ہے۔
ہزاروں ذہنوں ' لاکھوں دماغوں اور بے شمار انسانوں کو سیر اب کرتا ہے۔ لافانی عظمت ' بے مثال خدمت اور اَن ہونا کردار بن کر دنیا کے لیے نسخۂ کیمیا ہوتا ہے۔
وہ تنہائی میں انجمن اور فکر و نظر کا نقطۂ ارتقا ہوتا ہے ' اس کے ٹھہراؤ میں بھی جنبش اور حرکت ہے۔
نہ سرما کی یخ بستہ راتیں اسے کتب خانے سے دور کرتی ہیں ' نہ ہی گرما کی آگ برساتی دوپہر سے متاثر ہوتا ہے۔
نہ بہار کی خوشبو میں بہہ کر کتاب سے دُور ہوتا ہے ' نہ ہی خزاں کے ماتمی جلووں پر براندام ہوتا ہے '
اس کی تازگی ' چستی ' نرمی ' گرمی سب کتاب سے وابستہ ہے ' بلکہ چین ' سکون ' اطمینان جیسی نعمتیں بھی کتب بینی میں سمجھتا ہے '
جیسا کہ مولانا عبدالماجد دریاآبادیؒ فرماتے ہیں : ''کتاب کے کیڑے کی دل چسپی کی جگہ کتاب گھر ہی ہوتے ہیں۔'' (سیاحتِ ماجدی : ص175)
حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع عثمانیؒ کے بارے میں لکھتے ہیں :
''پھر جب والد صاحب کا رشتۂ تلمذ حضرت علّامہ انور شاہ کشمیریؒ کے ساتھ ہوا تو جو علمی مذاق گھٹی میں پڑا ہوا تھا ' اسے اور جلا ملی اور وسعتِ مطالعہ ' تحقیق و تدقیق اور کتب بینی کا صرف ذوق ہی نہیں ' بلکہ اس کی نہ مٹنے والی پیاس پیدا ہوئی۔'' (میرے والد میرے شیخ ' ص : 12)
مولانا عبدالماجد دریاآبادیؒ اپنی آپ بیتی میں فرماتے ہیں : ''پڑھنے ' بلکہ پڑھ لینے کا شوق خدا جانے کہاں سے پھٹ پڑا تھا۔
کتاب ' رسالہ ' اخبار ' اشتہار ' غرض جو چیز بھی چھپی ہوئی نظر پڑ جاتی ' پھر ممکن نہ تھا کہ بے پڑھے رہ جائے۔
پوری ' ادھوری جتنی بھی سمجھ میں آئے ' اس سے کوئی بحث نہ تھی ' پڑھ ڈالنا جیسے فرض تھا۔'' (آپ بیتی ص : 88)
حضرت علّامہ ابنِ جوزیؒ فرماتے ہیں : ''میں نے مدرسہ نظامیہ کے پورے کتب خانے کا مطالعہ کیا ' جس میں چھ ہزار کتابیں ہیں۔
کتب الحنفیہ ' کتب الحمیدی ' کتب عبدالوھاب ' کتب ابی محمد وغیرہ جتنے کتب خانے میری دسترس میں تھے سب کا مطالعہ کر ڈالا۔'' (مطالعہ کی اہمیت ص : 286)
حضرت علّامہ یوسف بنوریؒ اپنے بارے میں فرماتے ہیں : ''ڈھابیل کے قیام میں ایسا ہوتا رہا ہے کہ
ایک ایک بات کی تحقیق کے لیے میں نے پانچ پانچ سو ' ہزار ہزار ' دو دو ہزار صفحات کا مطالعہ کیا۔'' (خصوصی نمبر ص : 140)
علّامہ انور شاہ کشمیریؒ کو کثرتِ مطالعہ کے سبب علم کا خزانہ اور چلتا پھرتا کتب خانہ کہا جاتا تھا۔
ایک مرتبہ ارشاد فرمایا : ''میں نے اپنے زمانۂ طلب علمی میں بیس روز میں فتح الباری کی تیرہ جلدیں مکمل دیکھ ڈالی تھیں۔''
علّامہ یاقوت حمویؒ ''ارشاد الاریب'' میں عربی ادب کی مرکزی شخصیت ابو عثمان جاحظ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ابو ھفانؒ نے کہا :
''میں نے کتاب بینی اور کثرت علم میں جاحظؒ جیسا کسی کو نہیں پایا ' جب بھی کوئی کتاب ہاتھ آتی بغیر پڑھے نہ چھوڑتے ' حتیٰ کہ کتب خانوں کو کرائے پر لیتے اور شب گزاری کرتے اور نہ ہی فتح بن حاقانؒ کی طرح کسی کو پایا ' خلیفہ متوکّل کی مجلس میں بیٹھتے ' جب بھی فرصت پاتے کتاب نکال کر مطالعہ کرنے لگ جاتے

کتب بینی ایک عشق

ضیاء حسین ولی

اور نہ ہی اسماعیل بن اسحاق القاضیؒ کی طرح کسی کو دیکھا‘ جب بھی ملاقات کے لیے گیا ہوں تو ورق گردانی اور مطالعہ کرتے ہی پایا ہے۔“ (عاشق ص: 91)
بہ ظاہر یہ زندگی کے چند معمولات ہیں‘ مگر حقیقت میں یہ انسانیت کے روشن میناروں کے چند پوشیدہ کردار ہیں‘
جن پر ان کی دیو قامت شخصیت کھڑی ہے اور جن سے ان کے علوم و فنون کے فوّارے پھوٹے اور
نظریات اور افکار کا ایک دبستاں آباد ہے کہ اکیلے تنِ تنہا اکیڈمیوں اور بڑے بڑے اداروں کا کام سرانجام دیا اور ہزاروں افراد ان کے خیالات اور سوچوں کے خوشہ چین بنے۔
یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ بہت مشکل مرحلہ تھا‘ لیکن ان حضرات نے اپنے مطالعے ‘غور و فکر سے اس مشکل کو آسان بنا دیا۔
مگر عجیب بات یہ ہے کہ دنیا کی کم زور قوموں نے مطالعے کو بہت اہمیت دی اور ظاہری ترقی بھی کی‘ ان کی لائبریریاں آج بھی کتابوں سے کھچا کھچ بھری رہتی ہیں۔
لوگ عام شاہراہوں اور انتظار گاہوں میں کتاب تھامے نظر آتے ہیں۔ محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان اپنے کالم میں کتابوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
”مغربی ممالک میں تو ایک اچھا بڑا طبقہ اب بھی کتابوں کے مطالعے کا شوقین ہے اور وہاں اچھی کتابیں بہت جلد بیسٹ سیلر بن جاتی ہیں اور مصنّف کروڑ پتی بن جاتا ہے‘
ہمارے یہاں اچھی کتاب ہزار سے دو ہزار تک چھپتی ہے اور مصنّف کو یہ کتابیں بھی دوستوں کو تحفے میں دینا پڑتی ہیں۔“ (29 جنوری 2018ء ‘جنگ اخبار‘ جلد نمبر 82)
میر کارواں کے مصنّف ڈاکٹر شیخ تنویر احمد اپنا ایک چشم دید واقعہ لکھتے ہیں:
”ایک دفعہ میں جوزف (برطانوی طالب علم) کو لے کر ہالہ کی طرف جا رہا تھا۔ میں مطالعے کے دوران کبھی کبھی نظر اٹھا کر جوزف کی طرف دیکھتا تو حیرت ہوتی کہ
کبھی وہ پاکستان کی سیاسی پارٹیوں کے بارے میں پڑھ رہا ہوتا اور کبھی اسلام کے بارے میں سیکھ رہا ہوتا۔
مجھے جوزف کے کتابی جنون کا احساس ہالہ سے واپسی میں ہوا‘ چوں کہ اندھیرا ہو چکا تھا تو میں نے اپنی کتابیں اپنے بیگ میں بند کیں اور اونگھنے لگا‘ لیکن میں نے دیکھا کہ
جوزف نے کتاب بند کرنے کے بجائے اپنے بیگ سے ٹارچ نکالی اور آن کر کے اسے منہ میں لگایا اور یوں کتابیں پڑھنے کا عمل جاری رکھا۔“ (میر کارواں ص: 137)
تو آیئے ہم بھی کمر کسیں‘ سستی کو رخصت کریں اور صبر و استقامت کے پہاڑ بن کر کتاب کو اپنا عزیز اور مطالعے کو حرزِ جاں بنائیں‘
تاکہ دنیا کے ظاہری جوش و دبدبے کے ساتھ آخرت کی حقیقی کامیابیاں سمیٹ سکیں۔

صحت مند، متحرک اور بھرپور خوش گوار زندگی گزاریے

طاہر فاروقی

شہری زندگی کی اس مسلسل بھاگ دوڑ میں ہمارا جسم آرام ‘ذہن سکون اور قلب اطمینان چاہتا ہے‘ مگر یہ جسمانی آرام‘ ذہنی سکون اور اطمینانِ قلب آخر کیسے حاصل ہو؟
رب تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کی قدر اور شکر‘ مثبت طرزِ فکر (Positive Thinking) ‘توکّل اور قناعت (رب تعالیٰ کے دیے ہوئے پر راضی رہنا)‘
دوسروں کے لیے اچھا چاہنا (نیک گمان)‘ مزاج میں نرمی‘ معافی اور درگزر دراصل انسان کو آرام‘ سکون اور قلبی اطمینان فراہم کرتے ہیں۔
ہارورڈ یونی ورسٹی کی 75 سالہ طویل ترین تحقیق ثابت کرتی ہے کہ جو لوگ رب تعالیٰ کے بنائے ہوئے رشتوں کی قدر کرتے ہیں
اپنے عزیزوں کو توجہ سے بھرپور وقت (Quality Time) دیتے ہیں‘ ان سے تعلق مستقل استوار رکھتے ہیں‘ وہی لوگ دراصل کام یاب ترین زندگی جی جاتے ہیں۔
ان کے جسم صحت مند‘ متحرک (Active) اور عمریں طویل رہتی ہیں‘
کیوں کہ یہ افراد دراصل اپنے رشتوں اور تعلق کی نعمتوں (Quality of relation) سے بھرپور لطف لیتے ہوئے اپنی زندگیاں خوب انجوائے کرتے ہیں۔
ایسے کام یاب افراد ماضی سے سبق ضرور حاصل کرتے ہیں‘ لیکن ماضی کے پچھتاوے کے گڑھے میں ہی نہیں پھنسے رہتے۔
یہ مستقبل کی بہترین عملی تصویر (Vision) بناتے ہیں‘ لیکن مستقبل کے اندیشوں سے پریشان ہو کر حال میں حاصل ہونے والی نعمتوں کی لذّت سے بے خبر نہیں ہوتے۔
اب کرنے کا کام یہ ہے کہ اس ہفتے‘ اتوار کو اپنے بزرگ والدین‘ اپنے اہل خانہ (بیوی اور بچے) اور بہن بھائیوں کے ہم راہ گزارنے کی کوشش کیجیے‘
جو آپ کے قریب نہ ہوں ان سے فون پر رابطہ کیجیے‘ محبت بھرے پیغام اور نیک خواہشات کا اظہار کیجیے اور
اگر والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں حیات نہ ہوں تو مغفرت کی جامع دعا کیجیے اور
ان کے بہن بھائی (چچا‘ پھوپھی‘ خالہ‘ ماموں یا ان کی اولادوں) سے رابطے میں رہیے۔
آج سے اپنے آپ کو بھی اور اپنے تعلّق والوں کو بھی تحفّظ کا احساس دیجیے‘ تاکہ آپ صحت مند اور بھرپور خوش گوار زندگی جی سکیں۔
اگر خدانخواستہ آپ کسی نفسیاتی یا جسمانی بیماری کا شکار ہیں یا کسی بھی مسئلے کی وجہ سے پریشان ہیں
تو رشتوں اور تعلّقات کا یہ مخلص تحفّظ جلد آپ کو اس بحران سے نکال دے گا۔
اس اہم پیغام کو ایک مرتبہ پھر عمل کی نیت سے پڑھ لیجیے۔
رشتوں اور تعلّقات پر موجود تنہائی‘ چڑچڑاپن‘ بدگمانی کی دُھول اور گرد و غبار ہٹا لیجیے اور زندگی کو بہتر انداز سے گزارنے کی کوشش کیجیے۔

مفتی محمد توحید

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

خواب میں زیارتِ رسول اللہ ﷺ کے بنیادی اصول

سوال: خواب میں زیارتِ رسول اللہ ﷺ کو پرکھنے کا کیا معیار ہے کہ خواب سچا ہے یا جھوٹا؟ بے شک شیطان انبیا علیہم السلام کی صورت میں نہیں آسکتا، لیکن لاکھوں انسانوں کی صورت میں خواب میں آسکتا ہے اور کسی بھی صورت کو نبی کے عنوان سے دکھا سکتا ہے اور ان میں وہ نشانیاں بھی پیدا کر سکتا ہے جو نبی میں مظہر ہوں اور نبی ہی پہچان سکتا ہے کہ یہ شیطان ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر ایک آدمی نے دوسرے آدمی کو دیکھا ہی نہیں تو وہ اسے خواب میں بھی نہیں دیکھ سکتا اور اگر دیکھ بھی لے تو وہ محض خیالی تصویر ہو گی تو جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہی نہیں، ان کے خواب پر کن دلیلوں کے ساتھ یقین کیا جائے کہ خواب سچا ہے یا جھوٹا؟ دلیلیں ٹھوس ہونی چاہییں، کیوں کہ کم زور دلائل پر ہر آدمی خواب میں زیارت کا دعویٰ کر سکتا ہے۔

جواب: واضح رہے کہ خواب میں اگر کسی کو واقعی نبی کریم ﷺ کی زیارت ہو تو وہ خواب صحیح اور حقیقت پر مبنی ہوتا ہے، کیوں کہ شیطان کو نبی کریم ﷺ کی شکل اختیار کرنے کی اجازت نہیں، البتہ یہاں چند امور قابلِ لحاظ ہیں:

اول: بعض اہلِ علم کا ارشاد ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ کی زیارت آپ ﷺ کی اصل شکل و صورت میں ہو تو تب تو آپ ﷺ ہی کی زیارت ہے اور اگر کسی اور حلیہ میں ہو تو یہ آپ ﷺ کی زیارت نہیں، لیکن اکثر محققین اس کے قائل ہیں کہ آپ ﷺ کی زیارت جس ہیئت میں بھی ہو وہ آپ ﷺ ہی کی زیارت ہے اور اگر آپ ﷺ کو اچھی شکل و صورت میں دیکھے تو یہ دیکھنے والی کی حالت کے اچھا ہونے کی علامت ہے اور اگر خستہ حالت میں دیکھے تو یہ دیکھنے والے کے دل و دماغ اور اپنی حالت کے پراگندہ ہونے کی علامت ہے، گویا آنحضرت ﷺ کی زیارت ایک آئینہ ہے، جس میں ہر دیکھنے والے کی حالت کا عکس نظر آتا ہے۔

دوم: خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت بھی بسا اوقات تعبیر کی محتاج ہوتی ہے، مثلاً: آپ ﷺ کو نوجوان دیکھے تو اور تعبیر ہو گی، اور پیرانہ سالی میں دیکھے تو دوسری تعبیر ہو گی۔ خوشی کی حالت میں دیکھے تو اور تعبیر ہو گی اور رنج و بے چینی کے عالم میں دیکھے تو دوسری تعبیر ہو گی، وعلیٰ ہذا!

سوم: جب خواب دیکھنے والے نے کبھی نبی کریم ﷺ کی زیارت بیداری میں نہیں کی تو اس کو کیسے معلوم ہو گا کہ یہ نبی کریم ﷺ ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ خواب ہی میں اس کا علم ضروری حاصل ہو جاتا ہے اور اسی علم پر مدار ہے، اس کے سوا کوئی ذریعہ علم کا نہیں۔

چہارم: خواب میں آپ ﷺ کی زیارت تو برحق ہے، لیکن اس خواب سے کسی حکم شرعی کو ثابت کرنا صحیح نہیں، کیوں کہ خواب میں آدمی کے حواس معطّل ہوتے ہیں، اس حالت میں اس کے ضبط پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے صحیح طور پر ضبط کیا ہے یا نہیں؟ نیز شریعت، نبی کریم ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے سے پہلے مکمل ہو چکی تھی، اب اس میں کمی بیشی اور ترمیم و تنسیخ کی گنجائش نہیں، چناں چہ تمام اہلِ علم اس پر متفق ہیں کہ خواب حجّتِ شرعی نہیں، اگر خواب میں کسی نے نبی کریم ﷺ کا

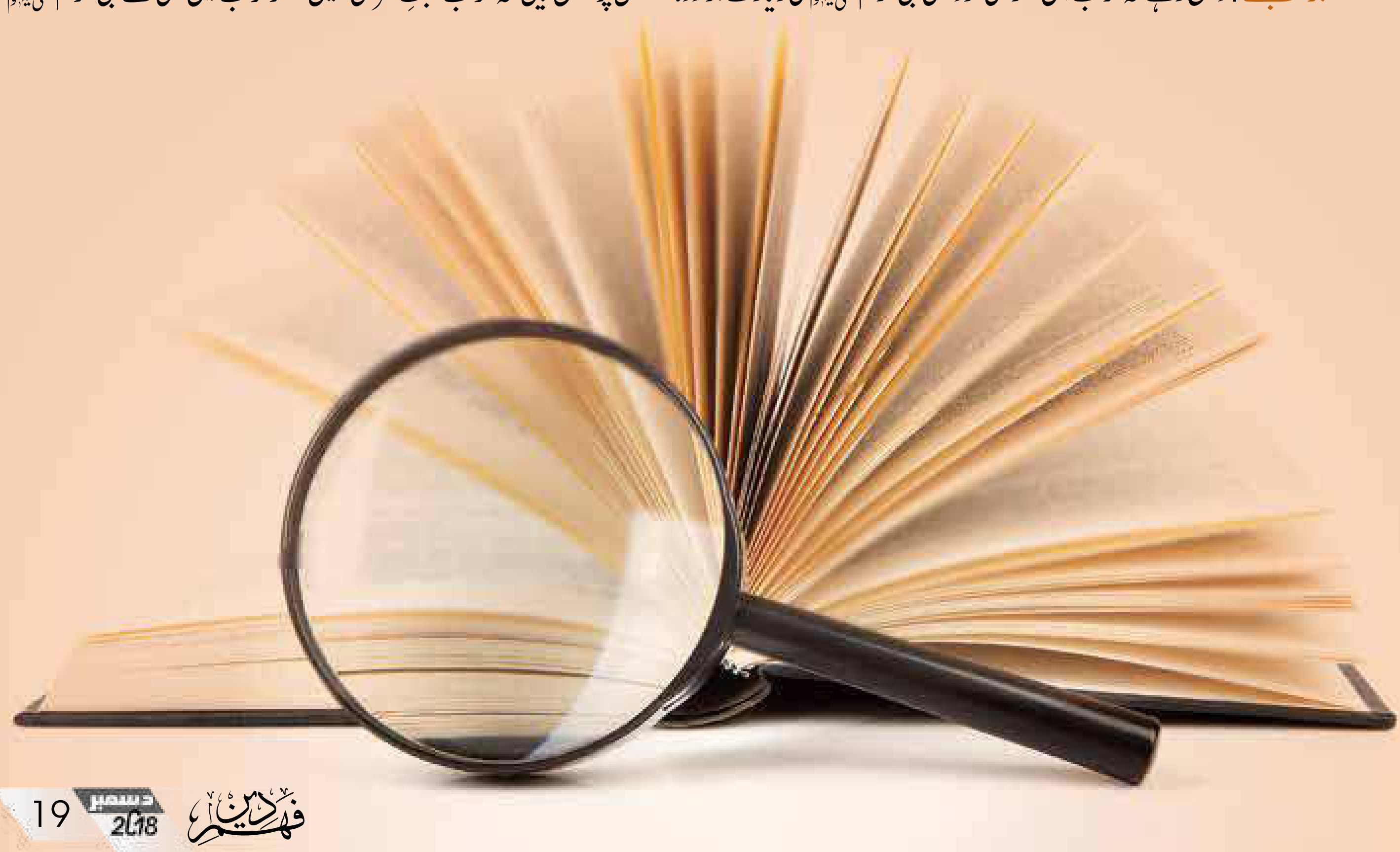

کوئی ارشاد سنا تو میزانِ شریعت میں تولا جائے گا‘ اگر قواعدِ شرعیہ کے موافق ہو تو دیکھنے والے کی سلامتی واستقامت کی دلیل ہے‘ ورنہ اس کے نقص وغلطی کی علامت ہے۔

پنجم: خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت بڑی برکت وسعادت کی بات ہے‘ لیکن دیکھنے والے کی عنداللہ مقبولیت ومحبوبیت کی دلیل نہیں‘ بلکہ اس کا مدار بیداری میں اتّباعِ سنّت پر ہے۔ بالفرض ایک شخص کو روزانہ نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوتی ہو‘ لیکن وہ نبی کریم ﷺ کی سنت کا تارک ہو اور فسق وفجور میں مبتلا ہو تو ایسا شخص اللہ کے ہاں مقبول نہیں ہوسکتا اور ایک شخص نہایت نیک اور صالح متّبعِ سنّت ہو‘ مگر اسے کبھی زیارت نہیں ہوئی‘ وہ عنداللہ مقبول ہے۔ خواب تو خواب ہے‘ بیداری میں جن لوگوں نے نبی کریم ﷺ کی زیارت کی‘ مگر آپ ﷺ کی اتّباع کی دولت سے محروم رہے‘ وہ مردُود ہوئے اور اس زمانے میں بھی جن حضرات کو نبی کریم ﷺ کی زیارت نہیں ہوئی‘ مگر آپ ﷺ کی پیروی نصیب ہوئی‘ وہ مقبول ہوئے۔

ششم: نبی کریم ﷺ کی زیارت کا جھوٹا دعویٰ کرنا آپ ﷺ پر جھوٹا الزام لگانا ہے اور یہ کسی شخص کی بدبختی کے لیے کافی ہے‘ اگر کسی کو واقعی نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی تب بھی بلاضرورت اس کا اظہار مناسب نہیں۔

خواب میں حضور اکرم ﷺ کی زیارت کا وظیفہ

سوال: میں خواب میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا دیدار کرنا چاہتا ہوں‘ اس کا طریقہ یا وظیفہ کیا ہوگا؟

جواب: نبی کریم ﷺ کی خواب میں زیارت ہوجانا بڑی سعادت ہے! لیکن اگر کسی کو عمر بھر نہ ہو اور وہ آپ ﷺ کے احکام پر پورا پورا عمل کرتا ہو‘ ان شاء اللہ! معنوی تعلق اس کو حاصل ہے اور اصل مقصود بھی یہی ہے۔ بہرحال! بزرگ فرماتے ہیں کہ دو چیزیں زیارت میں معین ومددگار ہیں: اوّل: ہر چیز میں اتّباعِ سنّت کا اہتمام۔
دوم: کثرت سے درود شریف کو وِردِ زبان بنانا۔

رات کو ناخن کاٹنا

سوال: کیا رات کو جھاڑو دینا‘ ناخن کاٹنا اور بچے سے باہر کچرا پوائنٹ پر کچرا پھینکوانا جائز ہے؟ ہمارے ہاں رات کے وقت ان کاموں کی انجام دہی کو برا سمجھا جاتا ہے۔

جواب: واضح رہے کہ مذکورہ امورات کو انجام دینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے‘ لہٰذا ان امور کو رات میں بھی انجام دیا جاسکتا ہے اور بلاوجہ ان امور کے کرنے کو برا سمجھنا خود شریعت کی تعلیمات کے منافی ہے۔

طلاق کی صورت میں بیوی کو دیے گئے زیورات وغیرہ کا حکم

سوال: میرے بیٹے کی شادی یکم جنوری کو قرار پائی اور 20 مئی کو تقریباً چھ ماہ بعد طلاق ہوگئی۔ طلاق بیوی اور اس کے والدین کے مطالبے پر دی گئی۔ نکاح میں ایک لاکھ روپیہ مہرِ معجّل (نقد) طے پایا جو کہ لڑکے نے اپنی بیوی کو شادی کے پہلے ہی دن ادا کردیا تھا اور یہ رقم طلاق کے بعد لڑکی اپنے ساتھ لے گئی۔ میں نے اپنی طرف سے جو زیور اور کپڑے اپنی بہو کو شادی کے موقع پر دیے تھے‘ نکاح نامے میں اس لڑکی کی ملکیت کا اس میں ذکر ہے اور نہ لڑکی کو زبانی یہ بتایا کہ یہ سب آپ کی ملکیت ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا ہمیں ان زیورات اور کپڑوں کے واپس لینے کا حق ہے یا نہیں؟

جواب: یہ مسئلہ دراصل عُرف ورواج کے تابع ہے۔ ہمارے شہروں کا عُرف تو یہ ہے کہ لڑکی کا باپ جو زیور وغیرہ جہیز میں دیتا ہے‘ وہ لڑکی کی ملکیت کردیتا ہے اور وہ لڑکی ہی کی ملکیت سمجھی جاتی ہے‘ البتہ شوہر یا سسرال والوں کی طرف سے جو زیور دیا جاتا ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر زیورات مہر کا حصہ ہو یا مہر کے طور پر دیا گیا ہو تو وہ بھی لڑکی کی ملکیت ہوگا اور اگر ایسی صراحت نہیں ہوئی جیسا کہ آپ کے ساتھ ہوا ہے تو اس صورت میں عُرف پر مدار ہوگا۔ اگر زیور لڑکی کو مالک بنا کر دینے کا عرف ہو تو اس صورت میں زیور لڑکی کی ملکیت ہوگا اور اگر لڑکی کو مالک بنا کر دینے کا عرف نہ ہو‘ بلکہ استعمال کے لیے دیا جاتا ہو تو شوہر کی ملکیت ہوگا۔

صورتِ مسئولہ میں چوں کہ آپ نے زیور بہو کو بطورِ ہدیہ دینے کی صراحت نہیں کی تھی‘ اس لیے اگر آپ نے بہو کو اس کا مالک نہیں بنایا تھا تو آپ یہ زیور بہو سے واپس لے سکتے ہیں‘ باقی جو کچھ لڑکی کے والدین نے جہیز میں دیا‘ وہ لڑکی کی ملکیت ہے‘ لڑکی کے والدین یا سسرال والے اس کے مالک نہیں۔

وکیل کا زکوۃ کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملانے کی صورت میں زکوۃ کا حکم

سوال: میں نے کچھ رقم اپنے دوست کو زکوۃ ادا کرنے کے لیے دی‘ چناں چہ اس نے اپنی رقم کے ساتھ اس کو ملادیا اور بعد میں مخلوط مال سے میری طرف سے زکوۃ ادا کردی‘ تو کیا آیا میری زکوۃ ادا ہوگئی یا نہیں؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں اگر آپ نے اپنے دوست کو زکوۃ کی رقم اپنے مال کے ساتھ ملانے کی اجازت دی تھی (خواہ صراحتاً یا ضمناً) تو اس صورت میں آپ کی زکوۃ ادا ہوجائے گی‘ ورنہ نہیں۔

عدّتِ وفات کے دوران بیوہ کا صابن اور شیمپو استعمال کرنا

سوال: کیا بیوہ عورت عدّت کے دوران صابن اور شیمپو استعمال کرسکتی ہے؟

جواب: واضح رہے کہ عدّت کے دوران بلاعذر عورت کے لیے خوش بُو لگانا جائز نہیں ہے‘ باقی خوش بُو والے صابن اور شیمپو سے چوں کہ اصل مقصود صفائی ہوتی ہے‘ اس لیے اس کے استعمال کی گنجائش ہے‘ تاہم بغیر خوشبو والا صابن اور شیمپو استعمال کرنا زیادہ بہتر ہے۔

میوچل فنڈ میں سرمایہ کاری کی صورت میں زکوۃ کا حکم

سوال: میوچل فنڈز (Mutual Funds) میں سرمایہ کاری پر زکوۃ کی کیا صورت ہوگی؟ میوچل فنڈز مختلف لوگوں سے پیسہ لے کر اسٹاک مارکیٹ میں انوسٹ کرتے ہیں اور سال بعد Dividend کی شکل میں منافع ادا کرتے ہیں‘ نیز ان کے شیئرز کی قیمت بھی ساتھ ساتھ کم زیادہ ہوتی رہتی ہے اور بوقتِ ضرورت شیئر کی موجودہ قیمت کے حساب سے اپنی ساری رقم یا بعض رقم واپس بھی لی جاسکتی ہے۔

اب جواب طلب امر یہ ہے کہ آیا میوچل فنڈ میں لگائی گئی ساری رقوم پر زکوۃ ہوگی یا زکوۃ اس سے حاصل ہوئے Dividend پر لاگو ہوگی؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں میوچل فنڈ میں لگائی گئی ساری رقوم اور وہ رقوم (جو سالانہ منافع (Dividend) کی شکل میں ملتی ہے) اِن کے مجموعے پر زکوۃ ہوگی‘ البتہ اگر میوچل فنڈ پر Dividend کی شکل میں ملنے والا منافع ناجائز سرمایہ کاری کے ذریعے حاصل ہوا ہو تو جس قدر سرمایہ کاری حرام کاموں میں کی گئی ہے‘ اس کے بقدر منافع کو صدقہ کرنا واجب ہوگا اور اگر تمام سرمایہ کاری ہی ناجائز کاموں میں کی گئی ہو تو پھر وہ سارے کا سارا نفع صدقہ کرنا واجب ہوگا‘ جبکہ اصل رقم اگر بقدرِ نصاب ہو تو زکوۃ صرف اسی پر واجب ہوگی۔

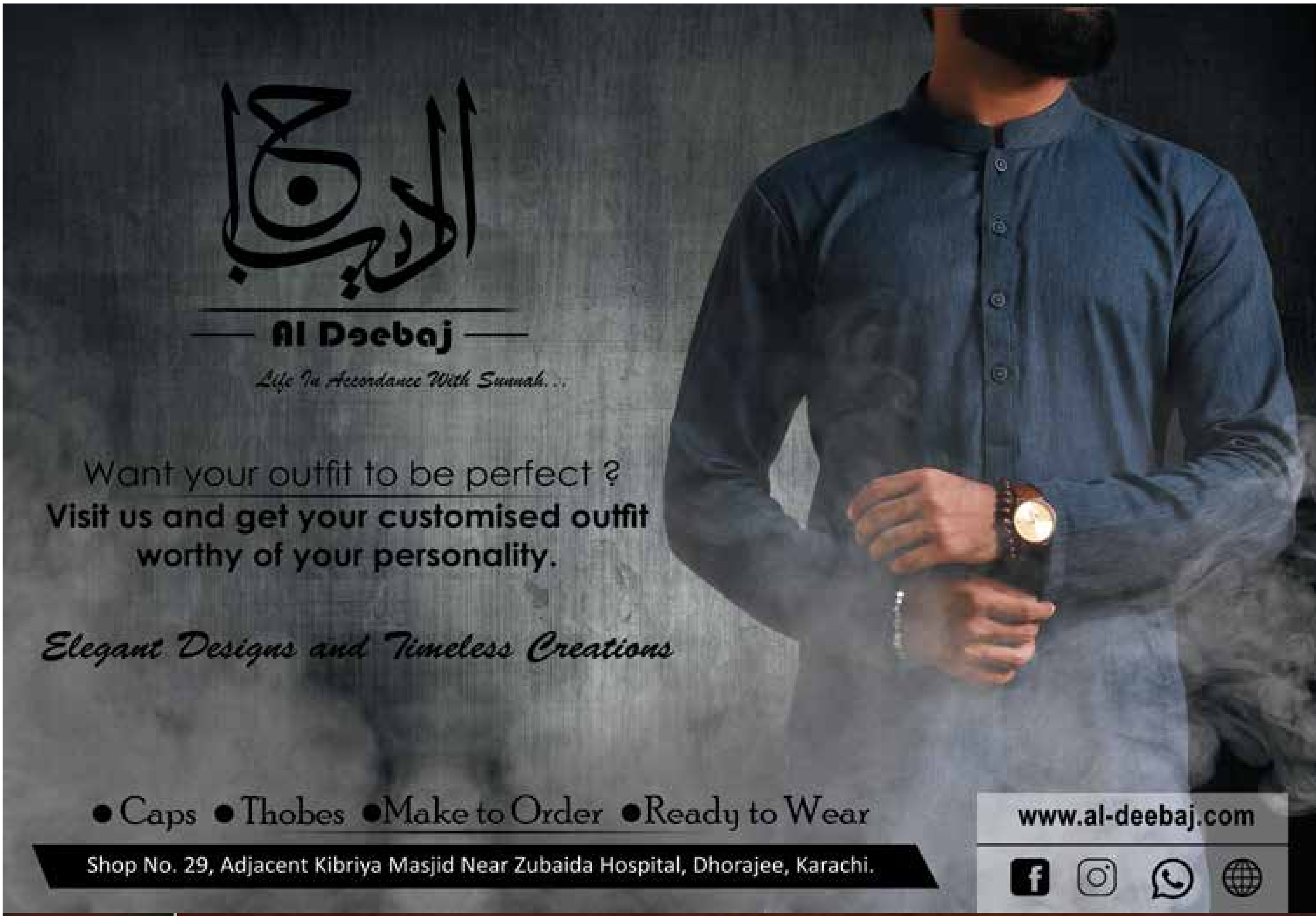
Al Deebaj
Life In Accordance With Sunnah...
Want your outfit to be perfect ?
Visit us and get your customised outfit worthy of your personality.
Elegant Designs and Timeless Creations
• Caps • Thobes • Make to Order • Ready to Wear
Shop No. 29, Adjacent Kibriya Masjid Near Zubaida Hospital, Dhorajee, Karachi.
www.al-deebaj.com

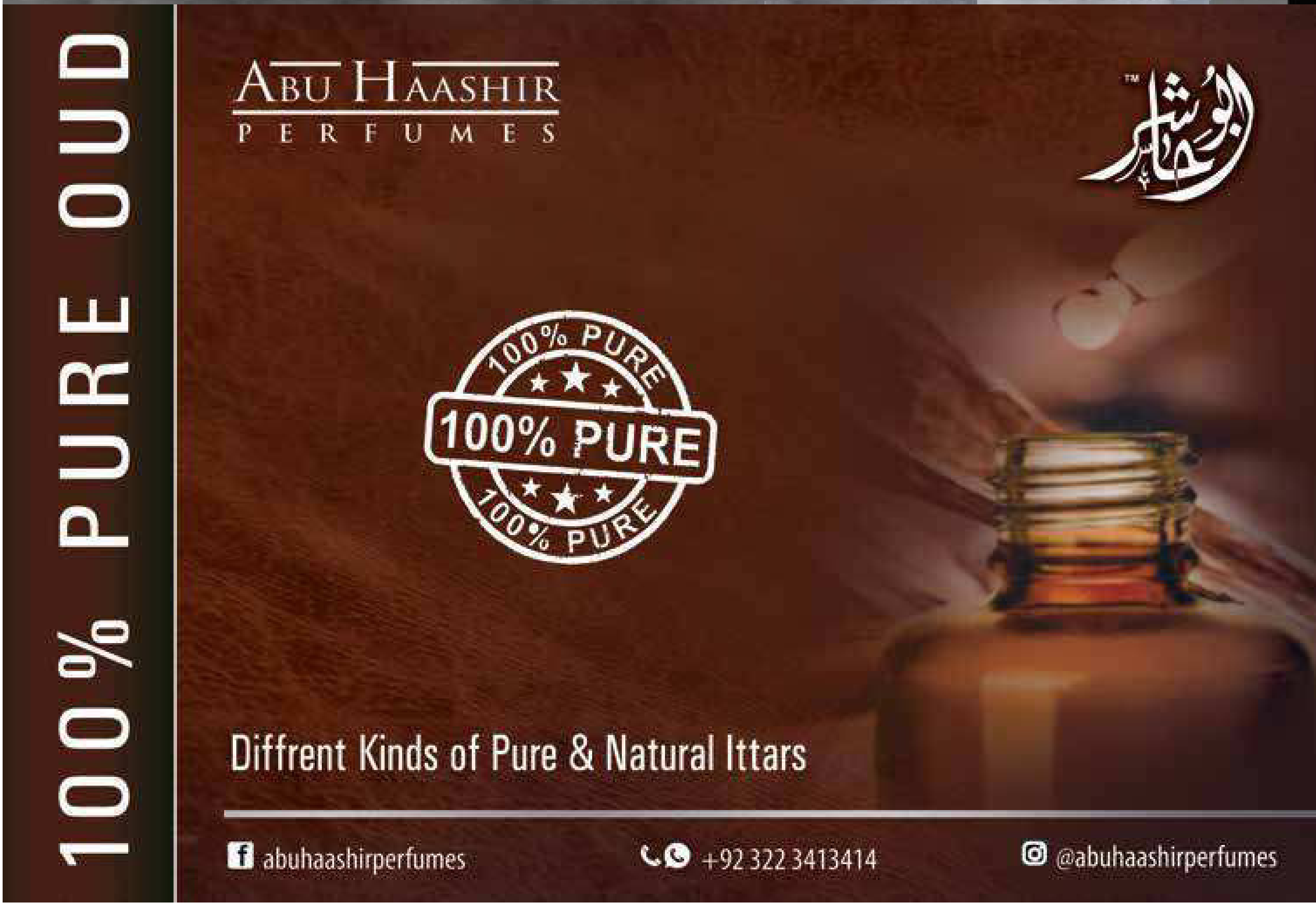
100% PURE OUD
ABU HAASHIR
PERFUMES
100% PURE
100% PURE
100% PURE
Diffrent Kinds of Pure & Natural Ittars
abuhaashirperfumes
+92 322 3413414
@abuhaashirperfumes

باورچی خانہ اور ہماری صحت

سرخ مرچ
غذائی وادویاتی خصوصیات

● حکیم شمیم احمد

تعارف

سرخ مرچ کو عربی میں فِلفِل احمر اور انگریزی میں Pepper کہتے ہیں۔ اس کا نباتاتی نام CapsicumAnnum ہے۔ اس کا مزاج گرم وخشک ہے۔
رنگت، سائز اور ذائقے کے لحاظ سے مرچ کی بہت سی اقسام ہیں۔ مرچ کی کچھ اقسام بطورِ سبزی اور کچھ اقسام بطورِ مسالہ استعمال ہوتی ہیں۔
وہ قسم جسے بطورِ سبزی استعمال کیا جاتا ہے، اسے شملہ مرچ (BellPepper) کہتے ہیں اور
جو بطورِ مسالہ استعمال ہوتی ہے اسے CayenneChilliPepper کہتے ہیں۔ اس میں وٹامن بی، سی اور بیٹا کیروٹینائیڈز جیسے اہم غذائی اجزا موجود ہیں۔

گھریلو علاج...!!

دادی امّاں نے انڈیا سے باقاعدہ حکمت کی تعلیم حاصل کی تھی۔ انھیں روز مرہ کی بیماریوں کے علاج معالجہ میں کئی چٹکلے زبان پر از بر تھے۔ ایک دن گھر میں رات گئے شور شرابا مچا۔ دراصل پڑوسی کے بچے کو کتے نے کاٹ لیا تھا۔ اب وہ سب ہمارے گھر جمع تھے، اس زمانے میں اسپتال جانے کا رواج نہیں تھا۔ ہماری دادی امّاں نے ململ کے کپڑے سے بچے کی ٹانگ صاف کی، جھٹ پٹ پانچ چھ سرخ مرچوں کو کونڈی میں کوٹ کر، سرسوں کا تیل ملا کر پٹی باندھ دی، چند بار یہ عمل کرنے سے بچے کی تکلیف دور ہوگئی اور وہ صحت مند ہوگیا۔ یہ تھا گھریلو علاج!!

مرچ کی افادیت

دہلی میں تیز مرچ بہت کھائی جاتی ہے۔ اس کے بارے میں ایک خاص قصہ مشہور ہے۔ جب جمنا سے نہر نکال کر دلی کو سیراب کرنے کے لیے لائی گئی تو شاہی طبیبوں نے یہ پانی شہر والوں کے لیے مضرِ صحت قرار دیا۔ انھوں نے کہا کہ شہر کے لوگوں کو اس قدر ٹھنڈے پانی سے نزلہ زکام پھیل جائے گا اور سردی کے امراض جنم لیں گے، پھر شاہ جہان نے اس کا حل پوچھا تو مرچ کی افادیت ظاہر ہوئی۔ تیز مرچ سے بہتا نزلہ اور بند ناک کھل جاتی ہے۔ اسی طرح دلی کی نہاری وجود میں آئی، جس میں ہری، لال مرچوں کی بہتات، جاڑوں میں انسان کو گرمادیتی اور چٹ پٹے کھانے کھا کر مزا آجاتا۔

سرخ مرچ کے فوائد

1. سرخ مرچ مسوڑھوں اور دانتوں کے امراض میں بھی خوب کام دیتی ہے۔
2. سرخ مرچ آنکھ کے لیے بھی مفید ہے۔
3. سرخ مرچ سردی میں ہونے والی کھانسی اور خراش دور کرتی ہے۔
4. سرخ مرچ معدے کی کمزوری بھی دور کرتی ہے۔
5. سرخ مرچ معدے کی قوتِ ہضم کو ابھارتی اور بھوک لگاتی ہے۔
6. مرچ کھانے سے توانائی بڑھتی ہے۔
7. سرخ مرچ کھانے سے خون میں کولیسٹرول بھی نہیں بڑھتا ہے۔
8. سبز مرچ آب وہوا کی تبدیلی کے نقصان سے بچاتی ہے۔
9. اگر کھانے کے ساتھ بطور سلاد بڑی سبز مرچ استعمال کی جائے تو یہ بصارت کو تیز کرتی ہے۔
10. سرخ مرچ کو پانی کے ساتھ پیس کر بچھو کے ڈنک زدہ حصے پر لگا دینے سے بچھو کا زہر اُتر جاتا ہے۔
11. سانپ کے کاٹنے پر سرخ مرچ کھلانے سے وہ کڑوی نہیں لگتی تو اس سے سانپ کے کاٹے جانے کی پہچان ہو جاتی ہے۔

مرچ کے استعمال سے ذیابطیس کا خطرہ دور!!

مرچ کا استعمال ذیابطیس کے خطرے کو کم کرتا ہے اور اس کے ساتھ وزن کنٹرول کرنے میں بھی معاون ہے۔
تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ کھانے میں مرچ شامل ہو تو کھانے کے بعد خون میں شکر کی مقدار کو کم کرنے کے لیے انسولین کی کم مقدار درکار ہوتی ہے۔

درد ہو یا کوئی چوٹ...مرچ کرے دور

آج بھی دیہاتی علاقوں میں مرچ سے علاج کیا جاتا ہے۔ درد ہو یا کہیں چوٹ لگے، مگر زخم نہ آیا ہو،
اس پر سرخ مرچ کوٹ کر موٹا موٹا لیپ لگا دیتے ہیں، پھر آگ کے سامنے بیٹھ کر لیپ کو سینکا جاتا ہے۔ شروع میں تو درد بڑھتا ہے، مگر آگ کی تپش سے آرام آنے لگتا ہے۔

چند ہفتوں میں خون کی کمی پوری

ایک میری عزیزہ کو بچے کی ولادت کے بعد بہت کمزوری ہو گئی تھی اور لیڈی ڈاکٹر نے خون چڑھانے کا مشورہ دیا تھا۔
میں نے لیڈی ڈاکٹر کو بتایا کہ میرے پاس ایک ایسا نسخہ ہے، جس کے چند ہفتے کے استعمال سے خون کی کمی پوری ہو جاتی ہے۔
لیڈی ڈاکٹر کو جب خون کی رپورٹ دکھائی تو وہ بہت حیران ہوئی اور مجھ سے کہا کہ اگر ممکن ہو تو آپ وہ نسخہ مجھے بھی عنایت کر دیں،
تاکہ ایسی خون کی کمی کی مریضاؤں کو میں استعمال کرواسکوں، چناں چہ میں نے وہ نسخہ لکھ کر دے دیا۔

ھوالشافی: سرخ مرچ: 2 گرام — منقیٰ (بیج نکلی ہوئی): 50 گرام

سرخ مرچ کا باریک سفوف کر کے چھان لیں اور اس میں منقیٰ شامل کر کے چنے کے برابر گولیاں تیار کر لیں،
صبح شام ایک ایک گولی پانی سے کھلائیں، اس کے علاوہ مربہ آملہ، مربہ سیب اور مربہ گاجر باہم ملا کر دو تولہ روزانہ کھلائیں۔

مرچ کھایئے...السر بھگایئے

انسانوں پر کی گئی تحقیق کے مطابق مرچ کا کھانے میں استعمال کولیسٹرول کے بننے میں مدافعت فراہم کرتا ہے۔ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ مرچ کا استعمال السر پیدا کرتا ہے جو بالکل غلط تصوّر ہے۔ بہت سی تحقیقات میں یہ واضح ہو چکا ہے کہ مرچ میں السر دور کرنے کی خصوصیات پائی جاتی ہیں، چناں چہ السر کے مریض سرخ مرچ کا استعمال معالج کے مشورے سے کریں۔

مرچ کا استعمال مندرجہ ذیل بیماریوں میں مفید

مرچ کا استعمال سر درد، نقرس (Gout)، جوڑوں کی سوزش، عرق النساء (Sciatica)، آواز کا بیٹھ جانا، بھوک کم لگنا، ضعفِ معدہ، پیٹ پھولنا، کھانسی، دل کی کمزوری، ملیریا اور بادی کا بخار، استسقا (Dropsy)، ہیضہ، سردی سے تحفّظ، وزن میں کمی اور قوتِ مدافعت کو بڑھانا وغیرہ میں بہت مفید ہے۔

کان کے درد کا آسان نسخہ

نسخہ: سات سرخ مرچوں کو ایک برتن میں 50 گرام خالص گھی میں ڈال کر آگ پر اس وقت تک پکائیں جب تک کہ وہ جل نہ جائیں، پھر برتن کو نیچے اتار کر ٹھنڈا کر لیجیے اور گھی کو چھان کر شیشی میں بھر لیجیے۔ کان میں درد ہونے پر اس میں گھی کی دو تین بوندیں تھوڑا گرم کر کے کان میں ڈالنے سے کان کا درد دور ہو جاتا ہے۔

ننھی مرچ...بڑے فائدے

پہاڑی علاقے کی چھوٹی مرچ بہت ننّھی منّی ہوتی ہے۔ مگر کھانے میں انتہائی تیز اور چرپری۔ کچھ خواتین اس کو تتیا مرچ بھی کہتی ہیں، کھاتے ہی منہ میں آگ لگ جاتی ہے۔ مرچ کی ساری تیزی اس کے بیجوں میں ہوتی ہے۔ سبز مرچ میں فولاد، فاسفورس، پروٹین، حیاتین الف اور ب موجود ہیں، نیز وٹامن سی کی بہتات ہے۔ موسمی بیماریوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اکیلی مرچ ہی کافی ہے۔ مرچ جتنی چھوٹی ہوا تنی ہی تیز ہوگی۔ اس کے بیجوں میں Capsacin نامی مادّہ ہوتا ہے۔ یہ کیمیائی مادّہ درد کو دور کرتا ہے۔ جوڑوں اور گھٹنوں کے درد کے لیے انتہائی مفید ہے۔ اسی طرح یہ مادّہ خون بھی پتلا رکھتا ہے، اس نقطۂ نگاہ سے یہ دل کے مریضوں کے لیے بے حد مفید ہے، خون پتلا رہے گا تو لوتھڑے (Clot) نہیں بنیں گے۔ دورانِ خون ٹھیک ہو جائے گا اور دل کے دورے کے امکانات بھی کم ہو جائیں گے۔

سرخ مرچ کے استعمال میں احتیاط

- ہائی بلڈ پریشر کے مریضوں کو سرخ مرچ کم کھانی چاہیے، کیوں کہ اسے کھانے سے بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے۔
- السر، معدے، جگر، پیشاب کے امراض اور اخراجِ خون کے مریض بغیر معالج کے مشورے کے سرخ مرچ استعمال نہ کریں،
کیوں کہ معالج مزاج، موسم اور عمر کا اندازہ کر کے مقدارِ خوراک کا تعیّن کرتا ہے اور ضرورت پڑنے پر اصلاح کے لیے ساتھ کوئی بُوٹی کا اضافہ بھی کر دیتا ہے۔
- بازار کی پسی ہوئی مرچ استعمال کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ گھر میں ثابت مرچ پیس کر استعمال کرنا زیادہ بہتر ہے۔
- مرچوں کو کاٹتے وقت ہاتھ آنکھوں کو نہ لگائیں، اس طرح آنکھوں میں جلن شروع ہو جاتی ہے۔

"اچھا' سر! اب مجھے اجازت دیں۔" حذیفہ اٹھ کھڑا ہوا اور سلام کے لیے ہاتھ بڑھایا تو ایک دم اسے حیرت کا جھٹکا لگا' ان کی بُک شیلف میں قادیانیوں کی کتابیں نمایاں تھیں۔ "سر! آپ۔۔۔ قادیانی مسلک سے ہیں؟" وہ ایک دم ان کی طرف گھوما تھا۔

"قادیانی کیا مسلمان نہیں ہوتے؟" پروفیسر اسد نے اطمینان سے پوچھا۔

"بالکل نہیں۔" اب کی بار حذیفہ کا لہجہ سرد تھا۔ "کیوں...؟؟"

"یہ بات آپ خوب جانتے ہیں۔" حذیفہ اُکھڑے لہجے میں بولا۔

"تم مسلمان ہو؟" پروفیسر اسد نے پوچھا۔

"ہاں! الحمدللہ! کیوں کہ میں کلمہ پڑھنے والا ہوں۔"

"تو کلمہ تو ہم بھی پڑھتے ہیں۔" پروفیسر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"لیکن ہم محمدی ہیں۔" حذیفہ نے پُراطمینان لہجے میں کہا۔

"تو ہم بھی احمدی ہیں۔" پروفیسر اسد نے یہ کہتے ہوئے انگلی کا اشارہ دیوار کی طرف کیا۔ "وہ دیکھو! کلمہ کی پینٹنگ۔ اب کی بار حذیفہ بے بس ہو چکا تھا۔

ہدایت کے فیصلے

آخری قسط

بنتِ محمود

"تم ابھی تک جاگ رہے ہو؟" حفصہ نے اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا تو اس نے کتاب سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی۔ "بس سونے ہی لگا تھا۔"

"تمہیں کیا ہوا ہے؟ آج کل گُم صُم رہنے لگے ہو؟" حفصہ نے بغور دیکھا۔

"باجی! آپ کو ایک بات بتانی تھی کہ میرے میڈیکل کالج کی فیس کا مسئلہ حل ہو گیا۔" وہ حفصہ کی بات کو گول کر گیا تھا۔ "مجھے آج میرے پروفیسر نے بلایا تھا۔" حذیفہ نے ساری بات بتا دی اور وہ قادیانیت والی بات جان بوجھ کر چھپا گیا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے' لیکن اتنی عنایت اور تم پر... وجہ سمجھ نہیں آئی؟" حفصہ کو خوشی کے ساتھ الجھن بھی ہوئی۔ اچانک حفصہ کی نظر اس کی کتاب پر پڑی۔

"حذیفہ! یہ کیا ہے؟ تم کس قسم کی کتابیں پڑھ رہے ہو؟" حفصہ حیران رہ گئی۔

"میں' میں قادیانیت کے بارے میں کچھ جاننا چاہ رہا تھا۔"

"تم پاگل ہو گئے ہو کیا؟" حفصہ کو دھچکا لگا۔ "کیا ضرورت ہے تمہیں اس قسم کی کتابیں پڑھنے کی؟"

"باجی! آپ اتنا غصہ کیوں کر رہی ہیں؟" حذیفہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "میں ان کتابوں کا اثر نہیں لے رہا باجی...! لیکن کچھ سوالات تھے' جو پریشان کر رہے تھے تو میں..."

"تم ایک بات بتاؤ! کیا تمہارے وہ پروفیسر قادیانی ہیں؟" حفصہ نے حذیفہ کی بات کاٹ کر پوچھا تو اس نے اپنا سر جھکا لیا۔ "ہوں...! تو سارا کیا دھرا اس کا ہے۔ حذیفہ! تم اتنے کمزور کب سے ہو گئے۔" حفصہ حیرانی سے حذیفہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ "اب بتاؤ! کیا ہوا تھا؟" اور حذیفہ نے پوری بات بتا دی۔

"باجی! اب جب وہ کہہ رہے ہیں کہ وہ احمدی ہیں تو ہم کیسے ان کو جھٹلا سکتے ہیں؟"

"تم ان سے کہتے نا کہ کہو ہم محمدی ہیں تو وہ کبھی نہ کہتے' کیوں کہ وہ تو آپ ﷺ کے امتی ہونے کے ہی انکاری ہیں' جبکہ آپ ﷺ خود ارشاد فرما گئے:

أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ...!" حفصہ نے بتایا مگر حذیفہ بول اٹھا:

"باجی! یہاں خاتم کا کیا مطلب ہے؟ مجھے تو پروفیسر صاحب کہہ رہے تھے کہ اس کا مطلب کہ جس پر آپ ﷺ مُہر لگا دیں تو وہ نبی بن جائے گا۔"

"حذیفہ تمہاری عقلِ کہاں چلی گئی ہے' دین کی اتنی موٹی موٹی باتیں تمہیں معلوم نہیں ہیں...؟ خاتم سے مراد واقعی مُہر ہے' مگر نئے نبی بنانے والی نہیں' بلکہ

ویسی مہر جیسی خط پر لگا کر اس کو بند کر دیا جاتا ہے کہ اب اس میں کسی قسم کی زیادتی نہیں ہو سکتی‘ اسی طرح اب کاروانِ نبوت میں بھی کسی نئے نبی کی زیادتی نہیں ہو سکتی۔‘‘ حفصہ نے سمجھایا۔

’’لیکن باجی‘ وہ کہہ رہے تھے کہ نبوّت کیسے ختم ہو سکتی ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تو آئیں گے آخر میں تو پھر آپ ﷺ آخری نبی کیسے ہوئے؟‘‘ حذیفہ کے لہجے میں الجھن نمایاں تھی۔ حفصہ کو اس کے سوالات سے خوف آنے لگا۔ اس نے اور اس کی امی نے اس کی بہت اچھی تربیت کی تھی۔ اتنی تربیت کے بعد جب وہ ڈگمگا رہا تھا تو وہ نوجوان جو دین سے واجبی سا تعلق رکھتے ہیں اور انھیں کوئی سمجھانے والا بھی نہیں ہے تو وہ کیسے ان کے فریبوں سے بچتے ہوں گے؟

’’حذیفہ! ذرا عقل پر زور دو تو تمھیں یاد آئے گا کہ ہم نے سبق میں پڑھا تھا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے تو وہ آپ ﷺ کی شریعت پر عمل کریں گے اور ان کو نبوت تو آپ ﷺ سے پہلے ملی تھی‘ ان کو اب نئی نبوت نہیں ملے گی۔‘‘ حفصہ نے اسے پیار سے سمجھایا۔ ’’اور ہاں!‘‘ حفصہ جاتے جاتے پلٹی۔ ’’تم یہ کتابیں نہیں پڑھو گے اور نہ ہی تم اس پروفیسر سے ملو گے اور اب احمد اور فیصل سے بھی دوستی ختم کر دو۔ غریب کے دو حلال کے لقمے امیروں کی دی ہوئی اس رقم سے لاکھ گنا بہتر ہے‘ جو انسان کے دین کو ہی خرید لے۔‘‘ یہ کہہ کر حفصہ کمرے سے نکل گئی۔

’’تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ کہاں کہاں میں نے تمھیں نہیں ڈھونڈھا؟‘‘ فیصل پھولی ہوئی سانسوں سے کہتا ہوا اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا اور وہ جو لائبریری میں اپنے نوٹس مکمل کر رہا تھا اٹھ کھڑا ہوا۔ ’’مجھے کلاس لینے جانا ہے۔‘‘

’’بیٹھو!‘‘ فیصل نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا۔ ’’کئی دنوں سے میں تمھیں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارا رویّہ نہ میرے ساتھ ٹھیک ہے اور نہ احمد کے ساتھ اور احمد بھی تم سے کھچا کھچا سا رہنے لگا ہے۔ تم دونوں کے درمیان اگر جھگڑا ہوا ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟‘‘

’’فیصل! میں تم دونوں سے مزید دوستی نہیں رکھنا چاہتا۔‘‘ حذیفہ نے جیسے بات ختم کی۔ ’’کیا مطلب...؟ بچپن کی دوستی کو تم ایسے کیسے ختم کر سکتے ہو؟ کوئی وجہ ہے حذیفہ! تم مجھے بتاؤ تو سہی؟‘‘ فیصل روہانسہ ہو گیا۔

’’تم قادیانی ہو۔ یہی دوستی ختم کرنے کی سب سے بڑی وجہ ہے۔‘‘ حذیفہ سے یہ بات بڑی مشکل سے کہی گئی‘ کیوں کہ اس کی فیصل کے ساتھ گہری دوستی تھی۔ احمد ان سے ایک سال سینئر تھا اور اس کے مزاج میں بچپن سے ہی خود سری اور سختی تھی‘ جب کہ فیصل ایک نرم مزاج اور صلح جو لڑکا تھا‘ وہ چھوٹی سے بات پر بھی رو پڑتا تھا۔ اب بھی یہی ہوا‘ اس کی بات سن کر فیصل کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

’’حذیفہ! ہم شروع سے قادیانی نہیں تھے‘ چند سال پہلے ہم بھی محمدی تھے‘ لیکن اچانک احمد کی پروفیسر اسد سے ملاقات ہوئی تو وہ بدلنے لگا۔ احمد نے ہمیں بھی آہستہ آہستہ ترغیب دینا شروع کی‘ وہ ایسے دلائل دینے لگا‘ جس کے جواب ہمارے پاس نہ تھے‘ پھر اچانک وہ مال دار ہو گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس نے پیسوں کی خاطر دین کا سودا کر لیا تھا‘ چوں کہ گھر کے حالات اچھے نہ تھے تو ابو بھی اس پر چُپ ہو گئے اور ان کے بیانات اور مجالس میں جا جا کر آہستہ آہستہ ہم بھی ان کو صحیح سمجھنے لگے۔ احمد تو اپنا دین بیچ چکا تھا‘ لیکن ہم لوگ بھی گم راہی سے بچ نہ سکے۔ اب ہم ان دو مذاہب کے درمیان لٹکے ہوئے ہیں۔ نہ ہمیں دینِ احمدی غلط لگتا ہے اور نہ دینِ محمدی...!!‘‘ فیصل خاموش ہوا تو حذیفہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

’’تم پریشان نہ ہو۔ میں تمھیں یہیں سے چند کتابیں دیتا ہوں‘ ان کو پڑھو گے تو حق و باطل ظاہر ہو جائے گا اور ہاں یاد رکھنا فیصل! دین کے لیے جو تمھیں قربانی دینا پڑے تو دے دینا اور اپنے آپ کو مضبوط بناؤ۔ ہم خود کم زور پڑتے ہیں تو باطل ہمیں خرید لیتا ہے۔ ورنہ ہمارا دین سستا نہیں‘ جو چند پیسوں کی خاطر بِک جائے۔‘‘ حذیفہ نے اس کا کندھا تھپتھپا کر اس کو تسلّی دی۔

’’تم نے دوبارہ حذیفہ سے ملنا شروع کر دیا ہے؟‘‘ فیصل اپنے کمرے میں بیٹھا احمد کی دی ہوئی کتابوں کا مطالعہ کر رہا تھا کہ احمد دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔

’’وہ دوست ہے میرا...!!‘‘ فیصل نے کتابوں سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

’’میں نے تمھیں اس سے ملنے سے منع کیا تھا۔ وہ تمھیں بے دین کر دے گا‘ اس سے پہلے کہ ایسا ہو‘ تم اس سے ملنا ختم کر دو۔‘‘ احمد غصیلے انداز سے فیصل سے مخاطب تھا۔ ’’بے دین کون ہے یہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔‘‘ فیصل بیڈ سے نیچے اتر کر اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ تم نے اپنا ضمیر بیچا‘ اپنا دین بیچا‘ ان کے ہاتھوں کٹھ پُتلی بن گئے‘ ہمیں بھی بے دین کیا تو تم ان کو بے دین کیسے کہہ سکتے ہو؟‘‘ فیصل اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

’’منع کیا تھا تمھیں اس کے ساتھ بیٹھنے سے...‘‘ احمد تیش میں آ گیا۔ ’’تم‘ تم بھی اس بے دین کی طرح بے دین ہو جاؤ گے۔ یہ میں نہیں ہونے دوں گا۔ اس دین نے تمھیں دیا کیا ہے؟ کیا دیا ہے اس محمد...‘‘

’’خبر دار جو ایک لفظ بھی مزید آگے کہا تو...!!‘‘ فیصل غرّایا۔

’’اچھی طرح سن لو فیصل! اس گھر میں وہی ہو گا‘ جو میں چاہوں گا۔ تمہاری یہ اکڑ میں ابھی نکالتا ہوں۔‘‘ احمد نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

’’جو کرنا ہے کر لو۔ اب میں یہ مذہب قبول نہیں کروں گا۔‘‘ فیصل نے حتمی فیصلہ کرتے ہوئے جواب دیا۔ ’’دیکھو فیصل! مجھے غصہ مت دلاؤ ورنہ...!!‘‘

’’ورنہ کیا کرو گے...؟؟‘‘ فیصل نے پُر اطمینان لہجے میں کہا تو احمد طیش میں آ گیا اور ریوالور نکال کر اس پر فائر کھول دیا۔ خون کا فوّارہ اٹھا (بقیہ ص 28 پر)

قسط نمبر 2

مجھ کو دیکھیں گے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جنید حسن

باہر نکل کر حلق کروایا اور یوں ہمارا عمرہ مکمل ہوا اور ہم سعادت مند ہوئے۔ ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا اور ایک دوسرے کو مبارک باد دی۔

اگلے روز جمعہ تھا۔ اذان سے 2 گھنٹے قبل چاشت کے وقت کوئی سَوا دس بجے ہم مسجدِ حرام میں داخل ہوئے۔ اوّل میں نے طواف کیا اور مَطاف کے ایک سرے پر بنے سنہرے سائبانوں کے سائے میں جا بیٹھا۔ اذکار کی ایک کتاب میرے ساتھ تھی، جو دفتر کے ایک ساتھی نے ہدیہ کی تھی۔ میں اس کتاب میں سے دیکھ کر ذکر و دعائیں کرنے لگا، پھر سورۂ کہف پڑھنا شروع کی۔ میں سورت پڑھتا گیا اور سامنے کعبے کو دیکھتا بھی گیا۔ پڑھنے کا الگ ثواب، کعبے کو دیکھنے کا الگ ثواب اور مسجد میں نفلی اعتکاف کا الگ ثواب... گویا ہر طرف ثواب ہی ثواب تھا۔

میرے والد ماجد نے روانگی سے پہلے بھی اور دورانِ قیام بھی بڑی تاکید کی تھی کہ "بیٹا! لوگوں کی خدمت کے لیے کوئی چھوٹے موٹے کام کرنے کی کوشش کرنا۔" ان کی یہ بات، ایک زم زم پلانے والے بھلے مانس کو دیکھ کر مجھے یاد آئی، چناں چہ ہمت کر کے میں بھی کچھ منٹوں کے لیے مسجد کے ایک حصے میں لوگوں کو پانی پلانے لگا۔ اس کا ثواب یقیناً میرے والد صاحب کو بھی ملے گا۔

اس دوران اذان ہو چکی تھی اور امامِ حرم خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہو گئے تھے۔ میں ان کو دیکھنے کے اشتیاق میں حجرِ اسود کی سمت کھسکنے لگا، کیوں کہ امام کا منبر بابِ کعبہ کی طرف قائم رکھا جاتا ہے۔ یہی وقت تھا، جب طواف کے دائرے لوگوں سے پُر ہونے لگے۔ بہر حال! کعبے کے سامنے نمازِ جمعہ پڑھ کر بہت خوشی محسوس ہوئی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ هٰذَا الْبَيْتِ جس نے مجھے یہ خوشی نصیب فرمائی۔

اسلام کا پہلا شہید شخص: تیسرے دن صبح اشراق کے بعد میں مسجد سے ہوٹل جا رہا تھا کہ میں نے ایک افریقی کو اُس سڑک کے پار کھڑے دیکھا، جو میرے ہوٹل اور مسجد کے بیرونی صحن کے ساتھ تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہاں کیا ہے۔ خیر...! زائرین ہٹ گئے تو صرف دو افراد کھڑے رہ گئے، جن کے نزدیک پہنچ کر میں نے اشاروں میں دریافت کیا کہ "یہاں کیا ہے؟" ان میں سے ایک نے عمدہ طریقے سے مجھے سمجھایا کہ یہ اسلام کی پہلی شہید حضرت سمیہؓ کی قبر مبارک ہے، جنہیں زِندیق ابو جہل نے بے دردی سے شہید کر دیا تھا۔ یہ میری زندگی میں پہلی دفعہ تھا کہ میں کسی صحابیہؓ

رسول ﷺ کی قبر کی زیارت کر رہا تھا اور وہ بھی اسلام کے لیے شہید ہونے والی پہلی صحابیہ کی...! میں نے برابر کی دیوار پر لکھا ہوا دیکھا مقبرۃ الشکیبہ۔ ایک لوہے کا دروازہ تھا، جو مقفل تھا، اس کے پار سامنے اونچی نیچی پتھریلی زمین پر ایک مقبرہ تھا۔ میں نے فاتحہ اور معوّذتین پڑھ کر اس عظیم صحابیہؓ کو ایصال کیا اور ان کی قربانی اور خوش قسمتی کے بارے میں سوچتا ہوا ہوٹل چل دیا۔

غارِ ثور: حرم کے شاہ فہد گیٹ کے سامنے کی جانب سڑک پر جابجا ٹیکسیاں آتی جاتی اور کھڑی رہتی تھیں۔ وہیں سے میں نے ایک ٹیکسی لی اور ہم زیارتوں کے سفر پر روانہ ہوئے۔ ٹیکسی ڈرائیور نے بتایا کہ وہ ملتان سے تعلق رکھتا تھا اور 5 سال سے سعودیہ میں مقیم تھا۔ سب سے پہلے ہم جبلِ ثور پہنچے۔ پہاڑ کی چڑھائی کے شروع میں نیلے رنگ کے شیڈ کے زیرِ سایہ دونوں طرف بینچیں لگی ہوئی تھیں۔ ساتھ ہی ایک کمرے پر مشتمل ایک دفتر تھا، جس میں آنے والے زائرین کے لیے غارِ ثور کے متعلق بنیادی معلومات کی فراہمی کا بندوبست کیا گیا تھا۔ کم از کم 18، 19 یا اس سے زائد زبانوں میں ڈب (Dub) کی ہوئی ایک ویڈیو، جو ڈھائی منٹ کی تھی، وہاں متعلقہ زبان میں دکھائی جاتی ہے۔ جب ہم پہنچے تو ایک بنگالی فیملی کے لیے بنگالی زبان میں ویڈیو دکھائی جا رہی تھی۔ ہم نے بھی اردو زبان میں دیکھی۔ ویڈیو میں بتایا گیا کہ غار تک کا راستہ 788 میٹر بلند ہے، اس کی چڑھائی دُشوار ہے اور یہ بھی کہ صحابہ یا رسول اللہ ﷺ سے اس مقام کی زیارت یا عبادت ثابت نہیں ہے۔ ویڈیو میں دکھایا گیا کہ بعض لوگ غار میں نفل بھی ادا کر رہے ہیں، جس کی ممانعت پر اصرار کیا گیا۔ نیز... یہ بھی تاکید کی گئی کہ اگر آپ میں ہمت اور صحت ہو غار تک جانے کی تو بے شک جائیے، مگر اپنے عقائد درست رکھیے۔

دفتر سے نکل کر ہم نے پہاڑ کی بلندی کو دیکھا، جہاں لوگ جاتے ہوئے نظر آ رہے تھے اور جس کے آخری سِرے پر کہیں غار واقع تھا۔ یہ وہی غار ہے، جس میں ہجرت کے وقت رسولِ خدا ﷺ اور خلیفہ رسول ﷺ نے پناہ لی تھی اور ان دونوں کا ذکر اللہ نے قرآن مجید کی سورۂ توبہ میں ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ کے الفاظ میں فرمایا ہے، چوں کہ ہمارا غار تک جانے کا ارادہ نہیں تھا، چناں چہ ہم ٹیکسی میں واپس آبیٹھے اور میدانِ عرفات کی طرف روانہ ہوئے۔

عرفات: میدانِ عرفات، مسجدِ حرام سے کوئی 20 منٹ کی دوری پر ہے۔ میدان کے آتے ہی ہم نے دیکھا کہ سڑک کے کنارے باڑیں لگی ہوئی ہیں اور عرفات کے بورڈ آویزاں ہیں۔ میدان عرفات رقبے کے لحاظ سے بہت بڑا ہے۔ اسے دیکھتے ہی مجھے خیال آیا کہ یہ تو وہی جگہ ہے، جہاں قیامت کا ہولناک دن آنے پر محشر کا میدان سجے گا اور اللہ رب العزت حساب و کتاب کے لیے اپنا میزان قائم فرمائیں گے۔

جبلِ رحمت: اسی میدان میں جبلِ رحمت بھی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر عرفات میں ٹھہرے تھے۔ بعض روایات کے مطابق باوا آدم اور امّاں حوا علیہما السلام کی جنت سے زمین پر بھیجے جانے کے بعد پہلی مرتبہ ملاقات بھی یہیں ہوئی تھی اور یہ کہ یہاں دعائیں بھی قبول ہوتی ہیں۔ میری زوجہ یہاں آنے کے لیے بہت خواہش مند تھی۔

ہم ٹیکسی سے وہاں پہنچے اور پھر جبلِ رحمت کی چوٹی پر جا پہنچے، جس کے لیے چند سیڑھیاں طے کرنا پڑیں، ان بنائی گئی سیڑھیوں کے طفیل جبل کی چڑھائی نسبتاً سہل لگتی ہے۔ یہ حج کا زمانہ تو نہیں تھا، لیکن پھر بھی ہم نے چوٹی پر دعائیں مانگیں اور اطرافِ عرفات کا نظارہ کر کے واپس اترنے لگے۔ میں جبلِ رحمت کے پتھروں کو دیکھ کر سوچ رہا تھا کہ نہ جانے باوا اور اماں کہاں سے نیچے اترے ہوں گے۔ ابتدائے نقشِ انساں کے اس مقام پر بہت اچھا محسوس ہوا۔ اس کے بعد ہم ٹیکسی میں آبیٹھے اور مسجدِ نمرہ کی طرف روانہ ہوئے۔

مسجدِ نمرہ: یہ وہ مقام ہے، جہاں رسول اللہ ﷺ نے مشہور خطبہ "حجۃ الوداع" دیا تھا۔ یہ مسجد چاروں طرف سے مضبوط، بلند قامت اور خوب صورت ہے اور اس کے کئی دروازے ہیں، جہاں ہماری ٹیکسی رکی تو وہاں ہمارے سامنے گیٹ نمبر 11 تھا۔ دل میں تمنّا ہوئی کہ کاش...!! میں وہ جگہ دیکھ سکتا، جہاں نبی کریم ﷺ نے قیام فرما کر خطبہ دیا تھا۔ خیال گزرا کہ شاید وہ گیٹ نمبر 1 پر ہو، لیکن یہ مسجد بند رہتی ہے اور صرف حج کے دنوں میں ہی کھلتی ہے، چناں چہ اس کا نظارہ ممکن نہ تھا۔ بہر حال! یہ تشنگی دل میں لیے ہم نے آگے کا قصد کیا۔

مُزدلفہ اور منیٰ: عرفات سے سفر کرتے ہوئے پہلے مزدلفہ کا مقام آیا۔ یہ عرفات اور منیٰ کے مقابلے میں کافی چھوٹا ہے۔ یہاں ہم نے زمین پر کنکریاں پڑی ہوئی دیکھیں، مگر یہ سوچ کر حیرت ہونے لگی کہ پچیس تیس لاکھ کے قریب حجاج کرام کس طرح اس مختصر سی جگہ میں قیام کرتے ہیں اور کنکریاں جمع کر لیتے ہیں۔ بے شک اللہ ہی ہے، جو انتظام کرتا ہے اور وسعت پیدا کرتا ہے۔

مُزدلفہ سے آگے بڑھ کر ہم منیٰ میں داخل ہوئے اور مسجدِ نمرہ پہنچے۔ منیٰ میں حکومت کی طرف سے مستقل خیموں کا بندوبست کیا گیا ہے، جو حج کے دنوں میں فعال ہوتے ہیں، ان کا نظارہ نہایت دل کش معلوم ہوا، گو کہ ابھی ان میں خاموشی کا ڈیرا تھا، مگر چشمِ تصوّر سے میں نے انھیں آباد اور پُر رونق دیکھا۔

مقامِ ذبیح اللہ اور جمرات: آگے بڑھے تو ہمارا رخ جمرات کی طرف تھا۔ مجھے خیال آنے لگا کہ جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام، حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کو اللہ کے حکم سے ذبح کرنے چلے تھے تو تین مقامات پر، جو جمرات کہلاتے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شیطان کو، جو انھیں روکنا چاہتا تھا سات کنکریاں ماری تھیں، لہٰذا ذبح کا وہ مقدّس مقام بھی شاید یہیں کہیں ہوگا۔ ڈرائیور سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ مقام آگے آنے والا ہے۔ میری نظریں گاڑی کی کھڑکی کے باہر تلاشنے لگیں، یہاں تک کہ ڈرائیور نے ایک جگہ سڑک کی بائیں جانب ایک پہاڑی کے سِرے پر ایک پتھر کی سِل، جو تیر کی سی ہیئت کی تھی گڑی ہوئی دکھائی دی، جو اس مقام کی نشان دہی کر رہی تھی، جہاں دو عظیم باپ بیٹے اللہ کے حکم کی بجا آوری کے لیے جان کی قربانی دینے آئے تھے، مگر اللہ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زندگی رکھی اور ان کی جگہ جنت سے ایک مینڈھا بھیج کر اس کی قربانی قبول فرمائی اور پھر تا قیامت اس عظیم قربانی کی پیروی میں ہر عید الاضحیٰ پر جانور کی قربانی دینا ہر صاحبِ استطاعت مسلمان پر واجب کر دیا۔

تینوں جمرات ایک ہی قطار میں موجود ہیں، ہم ٹیکسی میں وہاں پہنچے اور اوپر کی جانب سڑک پر آ گئے۔ ہم نے دیکھا کہ جمرات کی دو منزلیں بنائی گئی ہیں، تاکہ جمرات کے فرض کی ادائیگی دورانِ حج آسان بنائی جا سکے۔ اوپر کی جانب سے ہم زمینی منزل کو واضح نہ دیکھ سکے، کیوں کہ درمیان میں ایک نو تعمیر شدہ پُل تھا، جس کی تعمیر کا مقصد بھی حجاج کی کثیر تعداد کو اس فریضے کی ادائیگی کے لیے سہولت فراہم کرنا ہے۔

مسجدِ خیف: جمرات سے پہلے ہمیں ٹیکسی والے نے جس مقام پر اُتارا تو مسجدِ خیف بالکل ہمارے سامنے تھی۔ یہ مسجد منیٰ کے خیموں کے آگے تھی اور ہم اس وقت اوپر سڑک پر موجود تھے۔ مسجد نہایت لائقِ دید ہے۔ خوب صورت دیواریں اور دروازے تھے اور مینار کے حسن کے تو کیا کہنے...!! مسجد میں رنگوں کا امتزاج نہایت دل کش ہے۔ اس مسجد کی تعریف یہ ہے کہ اس میں متعدّد انبیا کرام علیہم الصلاۃ و

السلام نے نماز ادا فرمائی ہے۔ میرا بھی بڑا دل تھا کہ میں اس مقدّس مسجد میں جاتا اور نماز پڑھ سکتا، مگر معلوم ہوا کہ یہ بھی صرف حج کے دنوں میں کھولی جاتی ہے، چناں چہ آگے کے لیے روانگی اختیار کی۔

جبلِ نور: مغرب کا وقت قریب آنے لگا تھا۔ جمرات (منیٰ) سے ہم آج کی اپنی آخری زیارت جبلِ نور کی طرف روانہ ہوئے۔ جبل کی چوٹی، جس میں مقدّس غار ہے، وہ دور سے ہی منفرد نظر آتی ہے۔ یوں لگتا ہے، جیسے رب کے حضور عاجزی کے ساتھ سر جھکائے بیٹھا ہو۔ ہم نزدیک پہنچے تو مغرب کی اذانیں ہو رہی تھیں۔ جبلِ نور کے نیچے سڑک سے نزدیک ایک مسجد تھی، وہاں نماز ادا کی، پھر ٹیکسی میں آگے بڑھے۔ پہاڑ کی ابتدائی چڑھائی عمودی ہے اور راستے کو پکی سڑک کی شکل دی گئی ہے، مگر صرف چند میٹر تک، جس کے بعد اوپر گاڑیاں نہیں جا سکتیں۔ ٹیکسی والا ہمیں بھی کچھ اوپر لے گیا۔ ہم نے پہلے ہی طے کر لیا تھا کہ ہم غارِ حرا نہیں جائیں گے، لہٰذا وہاں اتر کر محض پہاڑ کی چوٹی پر نظر ڈال کر غار کو کھوجنے کی کوشش کی۔ پاس ہی ایک دوکان کے چبوترے پر ایک صاحب بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ میں کسی سے پوچھنا چاہ رہا تھا کہ ”کیا چوٹی پر جو بلب جل بجھ رہا ہے، وہی غار ہے؟“

اتنے میں ایک ادھیڑ عمر جوڑا، جو پٹھان دِکھتے تھے، پاس سے گزرا۔ ان کا انداز کہتا تھا کہ وہ غار سے ہو کر آ رہے ہیں۔ پوچھنے پر انھوں نے بتایا کہ چوٹی کے آگے کچھ اترائی کے بعد غار آتا ہے۔ میں نے پوچھا: ”آپ کتنے وقت میں ہو کر آئے ہیں؟“

”ڈیڑھ گھنٹے میں۔“ انھوں نے بتایا اور ساتھ ہی کہا: ”اگر آپ میں جذبہ ہو تو چڑھائی مشکل نہیں۔“ مگر وقت کم تھا، ہم نے وہاں سے واپسی کی۔ ہمارا ارادہ مسجدِ جن اور جنت المعلّیٰ کا بھی تھا، مگر ڈرائیور شاید وقت کی کمی کی وجہ سے محض مسجدِ جن کی نشان دہی کرتا ہوا گاڑی تیزی سے نکال لے گیا اور پھر رات ہو جانے کے باعث جنت المعلّیٰ جانے کا ارادہ ہم نے خود ہی ترک کر دیا تھا۔ وہاں سے ہم مسجدِ حرام پہنچے تو عشاء کی اذان ہو رہی تھی۔ شُرطے اور مسجد کے نگران بیرونی صحن کے ساتھ بنے ہوئے داخلی دروازوں کو بند کر چکے تھے۔ یہ وہاں کا معمول تھا، لیکن اللہ نے مدد کی اور ہمیں سمجھ آ گیا کہ تعمیر شدہ کنگ فہد ایسکیلیٹر (KingFahadEscalator) گیٹ نمبر 91 (اس گیٹ کے قریب ایک پتلی سی تین منزلہ عمارت ہے) کے ذریعے مسجد کی سیمنٹ اور اوپری فلورز تک لے جاتے ہیں اور وہ کھلے رہتے ہیں۔ ہم وہاں سے مسجد کے اندر پہنچے اور نماز باجماعت میں شامل ہو گئے۔

(جاری ہے)

احمد طیش میں آ گیا اور ریوالور نکال کر اس پر فائر کھول دیا۔ خون کا فوّارہ اٹھا اور فیصل چکرا کر گر پڑا۔ احمد یہ دیکھ کر حواس باختہ ہو گیا اور فوراً باہر کی طرف بھاگا۔ فائر کی آواز سن کر اس کے والدین دوڑتے ہوئے آئے، انھوں نے جو احمد کو بھاگتا ہوا اور اس کے کپڑوں پر خون لگا دیکھا تو اس کے ابو احمد کی طرف لپکنے لگے تو ان کی بیوی نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا: ”جس پر فائر کیا گیا ہے پہلے اس کو دیکھیں۔“ اور دونوں فیصل کے کمرے کی طرف دوڑ پڑے۔

فیصل کے والد ہسپتال کی راہ داری میں بے چینی سے ٹہل رہے تھے، جب حذیفہ تیزی سے ان کی طرف آیا۔ ”کیا ہوا تھا انکل؟“

”معلوم نہیں بیٹا! ہم تو فائر کی آواز سن کر بھاگے تھے، اس وقت تک احمد گھر کے دروازے تک پہنچ چکا تھا۔“ وہ غم گین لہجے میں تفصیل بتا رہے تھے۔

”ڈاکٹر حضرات فیصل کے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں؟“

”وہ مایوس ہیں بیٹا! اس کا خون بہت ضائع ہو گیا ہے۔ میرا بیٹا تقریباً ختم ہو چکا ہے۔“ وہ رو پڑے تو حذیفہ بے چین ہو گیا۔ ہسپتال کے باہر لوگ بڑی تعداد میں جمع ہو گئے تھے۔ کالج کے سارے لڑکے جمع تھے، ان سب کو فیصل کے دینِ محمدی کی طرف آنے کا علم ہو چکا تھا۔ ”یا اللہ! تُو جانتا ہے۔ میرا بیٹا قادیانیت سے دینِ محمدی کی طرف آ گیا تھا، جس کا اس کو یہ صلہ ملا۔ ہم اتنے گم راہ ہو چکے ہیں کہ ہمیں علم ہی نہیں کہ کون سا دین بہتر ہے؟ لیکن تُو جانتا ہے اس کی یہ حالت دینِ محمدی پر آنے کی وجہ سے ہوئی۔“ فیصل کے والد سجدے میں گڑگڑا رہے تھے اور دوسری طرف حذیفہ دیوار سے ٹیک لگائے، آنکھیں موندے دعا کر رہا تھا: ”اے پروردگار! فیصل کو زندگی عطا کر دے۔ اگر آج وہ زندہ نہ رہا تو لوگ تیرے محبوب کے دین کی طرف آنے سے کترائیں گے کہ انجام یہ ہوتا ہے۔ کوئی بھی یہ قدم اٹھانے کی ہمت نہیں کرے گا۔ فیصل نے ایک شمع جلائی ہے، اگر یہ زندہ رہا تو شمع سے شمع جلے گی اور اگر یہ بُجھ گیا تو تاریکی غالب آ جائے گی اے خدا...!!“ اچانک شور کی آواز سن کر اس نے آنکھیں کھولیں تو سامنے کا منظر دیکھ کر اس کی آنکھوں میں رب کے حضور تشکّر کے آنسو بہہ پڑے۔ کالج کے دوست ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے کہ ڈاکٹر حضرات نے فیصل کی زندگی کی نوید سنا دی تھی۔

”میں اپنے بھائی کو کیسے مار سکتا ہوں۔ میرا تو ایک ہی بھائی تھا۔ سنو! میری بات تو سنو...!!“ احمد نے جیل کی سلاخوں سے ہاتھ باہر نکال کر پولیس والے کو روکنے کی کوشش کی۔

”میں نے اپنے بھائی کو نہیں مارا۔ مجھے نکالو یہاں سے۔“ وہ سلاخوں پر اپنا سر مارتے مارتے تھک کر بیٹھ گیا تھا۔

اس واقعہ کے تین دن بعد اس کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ پہلے احمد پروفیسر اسد کی طرف گیا تھا، لیکن انھوں نے جب اس کی بات اور قتل کا سنا تو اس کی مدد سے انکار کر دیا اور ملک سے باہر چلے گئے کہ کہیں ان کی پکڑ نہ ہو جائے، جب کہ احمد کو گرفتار کر لیا گیا۔ جب اس نے پروفیسر اسد کا اصلی روپ دیکھا، اپنے بھائی پر حملہ کرنا یاد آیا اور یہ حالات دیکھے تو اس کے ذہن پر اس کا بہت اثر پڑا۔ وہ آدھا پاگل ہو چکا تھا۔ اللہ نے اس کو دنیا میں ہی سزا دے دی تھی۔

Your Friend In Real Estate

جُنید امِین

الحمدللہ پورے اطمینان اور بھروسے کے ساتھ
بحریہ ٹاؤن، ڈی ۔ایچ ۔اے سٹی اور ڈیفنس کراچی میں
محفوظ اور منافع بخش سرمایہ کاری۔
معلومات اور مشورے کے لیے

جُنید امِین

BAHRIA TOWN

DHA CITY

نزد مسجد بیت السلام، خیابان جامی، فیز 4، ڈیفنس، کراچی

021-35313254 - 0300-9213373 junaidameen@live.com

"امی جان! آج ہم خالہ اِرم کے گھر جائیں گے۔ویسے تو خالہ اِرم بہت اچھی ہیں، مگر ہیں بڑی کنجوس!" ارمان نے ہنس کر ماں کو چڑاتے ہوئے کہا اور خلافِ توقع سدرہ دھیمے لہجے میں اس سے پوچھنے لگی۔
"ارمان بیٹا! اِرم خالہ کو تم کنجوس کیوں کہتے ہو؟"
"اس لیے کہ وہ ہیں ہی کنجوس!" ارمان نے زِچ ہو کر کہا۔
"میں کیا...ہر کوئی انھیں کنجوس خالہ کہتا ہے۔اِرم تو..."
"ارمان! وہ آپ سے بڑی ہیں۔" سدرہ نے ارمان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

میں سادی سی جوتی پہنے، وہ اسی غریب محلّہ کا حصہ ہی لگ رہی تھی۔ سدرہ کو بڑی حیرت ہوئی، مگر یہ حیرت اس وقت دُور ہوگئی، جب عمران کا ایکسیڈنٹ ہوا اور اس نے ارم کو بلانے کے لیے اپنا بچہ بھیجا۔ ارم اپنا بیگ اٹھا کر اس کے ساتھ ہسپتال کی طرف چل پڑی۔ جب یہ دونوں ہسپتال پہنچیں تو ڈاکٹر نے ان سے کہا: "ایکسیڈنٹ بہت شدید ہے۔ فوری آپریشن کرنا پڑے گا، ورنہ مریض کی جان کو خطرہ بھی ہوسکتا ہے۔آپ پیسوں کا بندوبست کر دیں، تاکہ آپریشن شروع کیا جاسکے۔" ڈاکٹر اپنے پیشہ ورانہ انداز میں کہہ کر چلا گیا۔

کنجوس

وزیہ ظفر

"تو میں نے کب کہا ہے امی جان کہ وہ مجھ سے چھوٹی ہیں۔"
"ارمان...!" سدرہ چیخ پڑی اور ہنستا ہوا ارمان دروازے سے باہر نکل گیا۔
"تم ایک دن ضرور سمجھ لو گے اِرم کو اور پھر تم اپنے کیے پر بہت پچھتاؤ گے بیٹا!" سدرہ نے دل ہی دل میں سوچا۔
سدرہ اور عمران لاہور میں رہتے تھے اور شادی کے بعد ہی اس محلّے میں شفٹ ہوئے تھے۔ عمران فیکٹری جاتا تھا۔ پیچھے سِدرہ بہت بور ہوتی تھی، مگر وہ انجانے محلّے میں باہر نکلنے سے کتراتی تھی اور پھر ایک دن وہ ایسے ہی کام مکمل کر کے صحن میں درخت کے نیچے چارپائی ڈالے بیٹھی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ سدرہ نے جب دروازہ کھولا تو سامنے ایک خوب صورت سی، اس کی ہم عمر لڑکی کھڑی تھی، اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں چمک۔
"السلام علیکم!! کیا اندر آنے کے لیے نہیں بولو گی؟"
"کیوں نہیں، اندر آجائیں۔" سدرہ نے آگے سے ہٹتے ہوئے جلدی سے کہا اور پھر گھنٹوں دونوں ایک دوسرے سے باتیں کرتی رہیں۔ باتوں باتوں میں ہی اِرم نے اسے بتایا کہ اس کے شوہر امریکہ میں اچھی پوسٹ پر کام کرتے ہیں۔ یہ سن کر سدرہ چونکی اور ایک نظر بھر کر پھر سے اسے دیکھا۔ عام سے کاٹن کے سوٹ

سدرہ پر تو سکتا سا پڑ گیا، جب اسے پتا چلا کہ ہسپتال والے پانچ لاکھ تو صرف آپریشن کے لیے مانگ رہے تھے اور اس کے علاوہ دوائیوں اور ٹیسٹ وغیرہ کا خرچہ الگ ہوگا۔ سدرہ کے پاس تو اس وقت پانچ سو روپے بھی نہیں تھے، مگر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی، جب ڈاکٹر نے فیس جمع کیے بغیر ہی آپریشن شروع کر دیا۔
عمران کے گھر والے بھی اِس کے گھر والوں کی طرح غریب تھے، وہ لوگ بھی اتنے پیسے کہاں سے لاتے، انھیں بتا کر انھیں صرف پریشان ہی کیا جاسکتا تھا،

کیوں کہ وہ لوگ ایک دوسرے شہر میں رہتے تھے۔اتنا فاصلہ امیروں کے لیے تو کوئی معنی نہیں رکھتا،مگر غریب کے لیے...!!سدرہ سسکتی اور روتی رہی اور ارم دوائیوں،انجکشنز کا بندوبست کرتی رہی اور ساتھ ساتھ سدرہ کو حوصلہ بھی دیتی رہی۔عمران اب ایمرجنسی سے باہر آچکا تھا۔آپریشن کامیاب ہوچکا تھا۔سدرہ کے پریشانی کے آنسو اب شکرانے کے بن چکے تھے۔''چُپ کر جاؤ سدرہ!حوصلہ کرو۔دیکھو!اللہ نے عمران بھائی کو شفا دے دی ہے۔اللہ کا شکر ادا کرو میری بہن۔''سدرہ نے احسان بھری نظروں سے ارم کی طرف دیکھا۔

''ارم!تمہارا بہت بہت شکریہ!''اس نے ارم کے ہاتھ تھام لیے،کیوں کہ کچھ دیر پہلے ہی سدرہ کو معلوم ہوا کہ آپریشن اور اس کے علاوہ دوسرے اخراجات ارم نے ادا کیے ہیں۔''میں بہت جلد ارم!تمھیں تمہاری رقم لوٹا دوں گی۔''سدرہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''اس کی کوئی ضرورت نہیں!!تم وعدہ کرو کہ آئندہ تم کبھی بھی یہ بات زبان پر نہیں لاؤ گی۔''ارم نے مصنوعی غصہ کرتے ہوئے کہا،وہ ارم کو یوں غصہ ہوتا دیکھ کر چپ ہوگئی۔''سدرہ!میں نے کچھ کہا ہے آپ سے؟آپ وعدہ کریں کہ آئندہ آپ کبھی یہ بات نہیں بولوگی اور اس بات کو آج سے آپ بھول جاؤ گی۔''

''کیسے...!!پورے پانچ لاکھ...''

''بس سدرہ!!میں نے یہ سب اللہ کی رضا کے لیے کیا ہے،اس کا صلہ مجھے اللہ ہی دے گا،آپ نہیں۔''اور آج پہلی بار سدرہ،ارم سے واقف ہو رہی تھی۔

ارم روزانہ ڈھیروں فروٹ لے کر اس کے ساتھ ہسپتال جاتی تھی۔اللہ کے کرم سے عمران ٹھیک ہوکر گھر آگیا تھا۔وہ دونوں میاں بیوی،ارم کے بہت شکرگزار تھے کہ جس کے طفیل عمران کو نئی زندگی ملی تھی اور وہ لوگ گھر سے بے گھر ہونے سے بچ گئے تھے۔

''امی!یہ شوما خالہ نجانے کہاں جاتی ہیں؟آج میں نے انھیں کالج کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا،وہاں کہیں...''

''ارمان!کسی پر یوں بدگمان نہیں ہوتے۔یہ الزام ہے بیٹا!کسی کے بارے میں خود بخود نتیجہ اخذ کرلینا یہ غلط ہے بیٹا!''

''امی!خالہ شوما کی حرکتیں ہی ایسی ہیں۔اب دیکھیں نا...شوہر امریکہ میں ہوتا ہے،اولاد ہے نہیں اور وہ...اللہ توبہ...!!اتنی کنجوس کہ...''

''ارمان...!!''سدرہ کی آواز منہ میں ہی رہ گئی جب اس نے ارم کے پڑوسی بچے کو گھر کے اندر آتے دیکھا۔

''خالہ!وہ،خالہ ارم آپ کو بلا رہی ہیں۔''بچہ جیسے دوڑتا ہوا آیا تھا،اسی طرح باہر نکل گیا۔''الٰہی خیر!!''سدرہ نے چادر اٹھائی اور باہر نکلنے لگی۔

''ارمان!جلدی آؤ''سدرہ کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

''لگتا ہے ارم کی طبیعت خراب ہوگئی ہے بیٹا!''انھوں نے باہر سے ٹیکسی لی اور ارم کے گھر کی راہ لی۔سدرہ کوئی بھی وقت ضائع کرنا نہیں چاہتی تھی۔ارم کے گھر پہنچنے پر ارم کی طبیعت مزید بگڑ گئی تھی،اسی ٹیکسی میں ارم کو لٹا کر ہسپتال لے جایا گیا،مگر ارم ہسپتال پہنچنے سے پہلے ہی اللہ کو پیاری ہوچکی تھی۔

سدرہ دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی۔ارمان بھی غمگیں تھا اور سوچ رہا تھا:''واقعی!ارم خالہ بہت اچھی تھیں۔صرف ایک بات ان میں بری تھی کہ تھی بہت کنجوس۔کہتی تو مجھے بھانجا تھی،مگر میں جب گھر جاتا تو پتلی سی دال کھانے کو میرے سامنے رکھ دیتیں۔یہ ساری دولت کس کام آئے گی۔اتنا سب ہوتے ہوئے بھی خالہ نے فقیروں جیسی زندگی گزاری تھی۔''

ایمبولینس ارم خالہ کے گھر کے پاس پہنچ چکی تھی۔لوگوں کا ان کے گھر کے باہر ایک بہت بڑا ہجوم کھڑا ہوا تھا۔تمام مرد وزن رو رہے تھے۔

''ارم خالہ!ہمیں کس کے حوالے کرکے گئی ہیں۔''ایک لڑکی جو بالکل جوان سی تھی اونچی آواز میں کہتے ہوئے خالہ کو جھنجھوڑ رہی تھی۔

''ہائے،خالہ!!''ایک اور موٹی سی عورت کہہ رہی تھی۔''میرے گھر کا چولہا تو آپ کے ہی بدولت جلتا تھا۔اب ہمارا خیال کون رکھے گا!''

ارمان پر حیرتوں کے پہاڑ گر رہے تھے۔''شوما خالہ تو کسی کو ایک روپیہ تک نہیں دے سکتی تھیں۔یہ عورتیں کیا کہہ رہی ہیں؟''ارمان کو زور کے چکر آرہے تھے۔خالہ کے جنازے میں اتنے لوگ تھے کہ ارمان حیران رہ گیا۔

''ہائے،خالہ!آپ نے تو مجھے موت سے بچایا تھا۔آپ خود کیوں چلی گئیں؟''ایک لڑکا روتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''بھائی!آپ کون ہیں؟''ارمان نے آخرکار پوچھ ہی لیا۔

''میں عثمان ہوں۔دو سال پہلے لاعلاج پڑا ہوا تھا ہسپتال میں کہ خالہ...!!''وہ لڑکا ایک بار پھر رو پڑا۔

''ارم خالہ بہت اچھی تھیں۔''سدرہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔''ارم نے امیر ہوکر سادہ زندگی گزاری ہے۔خود بھوکی رہ کر دوسروں کو کھلاتی رہی۔خود پتلی دال کھاتی رہی اور دوسروں میں زندگی اور خوشیاں بانٹتی رہی...!!''

خلافِ معمول آج ارمان چپ تھا۔

''عمران!کیسے ارم نے آپ کی جان بچائی تھی۔اگر ارم نہ ہوتی تو آج ہم دربدر دھکے کھا رہے ہوتے۔اس نے انسانیت کی خدمت کی،مخلوقِ خدا کو راضی کیا،ضرور!اللہ پاک بھی اس سے راضی ہوگئے ہوں گے۔''

''ہاں،سدرہ!''عمران نے بھی ہاں میں ہاں ملائی اور ارمان خود سے نظریں ملانے کے قابل بھی نہ رہا تھا۔

''کتنے بہتان باندھتا تھا میں خالہ پر۔اے اللہ!مجھے معاف کردے۔''ارمان روتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگا۔''میں آج کے بعد خود سے کسی کے بارے میں بدگمانی نہیں کروں گا اور میں بھی خالہ ارم جیسی زندگی گزاروں گا۔اے اللہ!آپ بس مجھے معاف کردیں۔''اس نے ایک اطمینان بھری نگاہ آسمان پر ڈالی اور گھر سے باہر نکل گیا،اُن ہی راستوں پر جن پر وہ خالہ ارم کو دیکھتا تھا۔

منگل کا دن تھا' مطلب...زولوجی لیب۔ سارہ نے پری میڈیکل چنا تھا' جس میں چار پریکٹیکل تھے۔ زولوجی کے علاوہ بوٹنی (Botany) کیمیا (Chemistry) اور فزکس (Physics) بھی تھے۔ سو...! آج وہ لیب میں کھڑی میم کو مینڈک کاٹتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ آج مینڈک کا DigestiveSystem کر رہے تھے' لٰہذا وہ غور سے سن رہی تھی۔ مینڈک کا Dissection بہت نازک کام ہوتا ہے' اگر کوئی بھی زائد چیز کٹ جائے تو سارا Dissection خراب ہو جاتا ہے' (Dissection اسے کہتے ہیں' جس میں کسی بھی جانور کو کاٹ کر اس کے اندرونی اعضا کا جائزہ لیا جاتا ہے) اس لیے ایک ایک چیز دیکھنا اور سمجھنا اہم تھا۔

اب طالبات کی باری تھی اپنے اپنے مینڈک لینے کی۔ صفا مینڈک کو ڈش میں رکھ کر (جو کہ خاص اسی کام کے لیے بنی تھی) ایک جگہ کام شروع کرنے لگی۔ لیب بہت بڑی تھی' اس میں ایک طرف بورڈ تھا' جس پر پریکٹیکل کے متعلق ضروری معلومات لکھی ہوئی تھیں تو دوسری طرف بڑے بڑے ٹیبل تھے' جس پر پریکٹیکل کرنا تھا اور اس سے تھوڑا دور کام کرنے کے لیے بڑا سا ٹیبل اور کرسیاں رکھی ہوئی تھیں' جدھر طالبات بیٹھ کر لکھنے کا کام کرتی تھیں۔ چاروں طرف بائیولوجی سے متعلق چیزیں تھیں۔ شیشے والی الماریوں میں Spots تھے' (Spots بائیولوجی کی زبان میں ان جانوروں کو کہا جاتا ہے' جنھیں پانی کی بوتلوں میں اسٹور کیا گیا ہو یعنی ان کے جسموں کو) جو کہ اسٹوڈنٹس کو دکھائے جاتے ہیں' اس سے اسٹوڈنٹس کو جانوروں کی شناخت آتی ہے اور ان کا Structure (جس بنیاد پر وہ بنے ہیں) سمجھ آتا ہے۔ گویا پوری بائیولوجی کی دنیا تھی۔

میں نے بھی کام شروع کیا Dissection Box (جس میں Dissection کے متعلق آلات ہوتے ہیں' جیسے قینچی' چھری وغیرہ) سے قینچی نکالی' مینڈک کے چاروں طرف پنیں لگائیں' تاکہ وہ Dissection کے دوران ہلے نہیں۔ اس نقاب والی لڑکی (صفا) نے ابھی تک نقاب لیا ہوا تھا' کیوں کہ لیب میں ایک مرد بھی گھوم رہا تھا۔ اس مرد کا کام سب کو ایک ایک مینڈک دینا تھا۔ سارہ کالج میں آ کر نقاب اتار دیا کرتی تھی' لیکن صفا کو دیکھ کر اس کا حوصلہ بلند ہوتا تھا کہ وہ بھی شرعی پردہ کرے۔ صفا اس کی ٹیبل پر آ کر کام کرنے لگی۔ ''السلام علیکم!'' سارہ نے بات شروع کی۔

''وعلیکم السلام!'' صفا نے خوش دلی سے جواب دیا۔

''یار... کہاں پھنس گئے ہم؟'' سارہ نے ہنس کر کہا۔

''بس مجبوری ہے... اور دھیان سے کام کروانا۔'' اس نے بات ختم کی۔

شاید وہ اپنا ہر کام بہت دھیان سے کیا کرتی تھی' تبھی سارہ کی قینچی' جس پر مینڈک کا خون لگا ہوا تھا صفا کے ڈوپٹے سے لگ گئی۔

''معاف کرنا... جان کر نہیں کیا میں نے۔'' سارہ نے گھبرا کر کہا۔

''کوئی بات نہیں' مگر میرے کپڑے ناپاک ہو گئے... نماز پڑھنی ہوتی ہے مجھے۔'' اس نے افسردگی سے کہا۔

''اسٹوڈنٹس! جلدی کریں... میں پانچ منٹ میں چیک کرنے آ رہی ہوں۔'' ٹیچر کی آواز آئی اور دونوں جلدی جلدی اپنے کام میں مصروف ہو گئیں۔

اب کالج کی مصروفیت بڑھ گئی تھی۔ صائمہ اب اس سے زیادہ بات نہیں کرتی

ہجرت

بنتِ گوہر

قسط نمبر 3

تھی، حالاں کہ ان کی کوئی لڑائی نہیں ہوئی تھی۔ بس! آخری کچھ اس طرح کی بات ہوئی تھی: ”یار...! تم کیوں یہ اسکارف اوڑھے رکھتی ہو؟“ اور پھر صائمہ نے مووی کا تذکرہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ سارہ کو بھی فلمیں دیکھنے کا بہت شوق تھا، لہٰذا وہ بھی فلموں کے متعلق تذکرہ کرتی رہی۔

پھر صائمہ نے کہا: ”یہ اسکارف اتار دیا کرو نا... کتنی گرمی ہوتی ہے اور ویسے بھی آدھی سے زیادہ کلاس کی لڑکیاں تو اتار دیتی ہیں۔“

”یار! پتا ہے کیا... کوئی بھی کام اگر انسان اپنی مرضی سے شروع کرے تو وہ اُسے چھوڑنے کے لیے شروع نہیں کرتا، اس لیے میں نے بھی حجاب چھوڑنے کے لیے شروع نہیں کیا۔ بس! اللہ مجھے استقامت دے۔ میں تو شرعی پردہ کرنا چاہتی ہوں اِن شاءاللہ!“ سارہ نے پُرعزم ہو کر کہا تو صائمہ چپ ہو گئی۔ بس یہ ان کی آخری بات تھی۔ سارہ خود حیران تھی کہ صائمہ اس سے بات کیوں نہیں کرتی، وہ اس چیز سے ناواقف تھی کہ ابھی تو پوری دنیا والوں نے اسے اجنبی کر دینا ہے، کیوں کہ اس نے راستہ ہی ایسا چُنا ہے۔

ہفتے گزرے، مہینے گزرے، امتحان ہوئے، یہاں تک کہ کالج کا پورا سال گزر گیا، مگر اس کا پردہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔ کالج میں تمام نامحرموں سے پردہ شروع کر دیا۔ کالج میں سدرہ بھی آگئی تھی اور آمنہ بھی، لیکن آمنہ نے اپنا مضمون سارہ اور سدرہ کے برعکس رکھا تھا۔ سارہ اور سدرہ کی آمنہ سے ملاقات کم ہی ہوتی تھی، کیوں کہ اس کا بریک ٹائم بھی الگ تھا۔ آج آمنہ کا فری پیریڈ تھا، سو تینوں بہت عرصے بعد مل کر بیٹھی تھیں۔ آمنہ اپنے من پسند فرائز کھا رہی تھی، سدرہ سموسہ کھا رہی تھی اور سارہ بس بولے جا رہی تھی۔

”یار آمنہ! یہ کیا... ہماری فیئرول بھی الگ ہو گی؟“ اسے غصہ آ رہا تھا۔

”ہاں یار! کیا کر سکتے ہیں... میڈم کو ہم سے ایک مرتبہ پوچھنا تو چاہیے تھا؟“ آمنہ کی شوخی اپنے عروج پر تھی۔ تینوں سفید یونیفارم میں کینٹین کے باہر بیٹھیں باتوں میں مگن تھیں۔

”چھوڑو یار...! یہ بتاؤ کیا پہننا ہے؟“ سدرہ نے پوچھا۔

”مم م م... میں تو ساڑھی پہنوں گی، ہائی ہیل کے ساتھ چلتی آؤں گی اور سب کے ہوش اُڑاؤں گی۔“ آمنہ نے ایک ادا سے کہا... اسے تیار ہونے کا بہت شوق تھا۔ ”اچھا...!!“ سارہ نے کہا اور کسی سوچ میں گم ہو گئی۔ اتنے میں بیل بجنے کی آواز آئی۔ آمنہ کی کلاس گراؤنڈ فلور پر تھی، وہ بائے کہہ کر اپنی کلاس میں چلی گئی۔ سارہ اور سدرہ وہیں بیٹھی رہ گئیں: ”یار! میں نے کچھ سوچا ہے۔“ وائٹ اسکارف میں فکرمند انداز میں سِدرہ بولی۔ ”فیئرول 2015 میں بھی مجھے بڑا افسوس رہا... پورا سال، بلکہ کافی سالوں سے میں اسکول میں اسکارف پہن رہی تھی۔ کیا تھا جو ایک دن اور اسکارف پہن لیتی... جن سے پورا سال پردہ کیا، ایک فیئرول کے لیے ان کے سامنے بے پردہ ہو گئی...!“ یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں نمی گھل گئی تھی۔ ”مجھے چاہیے تھا کہ اپنے نفس پر قابو پاتی۔ کیا تھا، اگر سب بے پردہ ہوتے ہوئے خوب صورت لگتیں، لیکن میں اللہ کے لیے حجاب کرتی... اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اب میں پکا حجاب شروع کر رہی ہوں۔ چاہے فیئرول ہی کیوں نہ ہو۔ تمہارا کیا خیال ہے...؟؟“ اس کی آنکھوں میں ایک چمک تھی۔

سدرہ کو وہ اس وقت بہت پیاری لگی تھی۔

”میں بھی حجاب نہیں اتاروں گی فیئرول پر اور نہ ہی نقاب...!!“ سدرہ نے مسکرا کر جواب دیا۔ ”شاید بریک ختم ہو گئی ہے!!“ ایک ٹیچر نے آکر سختی سے کہا۔ دونوں فوراً کلاس کی طرف بھاگیں۔

”اُف اللہ! یہ لڑکیاں باتیں کرتی نہیں تھکتیں۔“ مس نے مسکرا کر کہا۔

گھر میں مہمان آئے تھے۔ پھوپھو، پھوپھا اور ان کی چھوٹی بہو۔ سارہ کی دو پھوپھو تھیں، بڑی پھوپھو عائشہ جن کے 4 بچے تھے۔ قاسم، وارث، ثاقب اور نمرہ... یہ سب شادی شدہ تھے اور چھوٹی پھوپھو سُمیرہ، جن کے دو ہی بچے تھے۔ بڑا بیٹا اسد، جو سارہ سے دو سال بڑا تھا اور چھوٹی بیٹی ایمن، جو سارہ سے دو سال چھوٹی تھی۔

بہر حال! بڑی پھوپھو آئی تھیں۔ سارہ کو سلام کرنے جانا تھا، لیکن ہچکچاہٹ یہ تھی کہ اب وہ باقاعدگی سے نقاب کرنے لگی تھی اور پھوپھا نامحرم تھے، ان کے سامنے کیسے جائے؟ بڑے بہانے کیے، مگر بار بار امی کا بلاوا آ رہا تھا۔ آخر کار... ہمت کی اور شیشے کے سامنے کھڑی ہوئی۔ سیاہ حجاب، سیاہ سوٹ پہنے چہرے پر نقاب لگا کر دیکھا، شکل بری لگی تو اتار دیا، پھر جب باہر جانے لگی تو نقاب لگا لیا اور کمرے سے نکل گئی۔

”السلام علیکم!“ سارہ نے سب کی توجہ اپنی جانب کروائی، البتہ ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔ ”وعلیکم السلام!“ شفیق سا جواب دیا گیا۔ بس دو سیکنڈ کی حیرانی ہوئی، پھر سب پہلے جیسا ہو گیا۔ سارہ نے سُکھ کا سانس لیا۔

سارہ کے امی ابو حیران نہیں ہوئے، کیوں کہ ابھی پچھلے ہفتے کی بات ہے۔ سارہ کے ماموں کی منگنی تھی۔ چھوٹا سا گھر میں فنکشن تھا۔ مرد اور عورتوں کا انتظام الگ نہ تھا، کیوں کہ سارہ کے ننھیال میں بھی اتنا پردے کا رواج نہ تھا۔ بس ثاقب ماموں، (جو کہ سارہ کے دوسرے نمبر کے ماموں تھے) ان کا دین کی طرف رجحان تھا۔ اس کے علاوہ سارہ کے تین ماموں اور ایک خالہ تھیں جن ماموں کی منگنی تھی، وہ سب سے چھوٹے ماموں تھے۔ خیر...!! ہوا کچھ یوں کہ وہ نانو کے گھر پہنچے تو امی نے برقع وغیرہ اتارنے کو کہا۔ سارہ نے برقع تو اتار دیا، مگر اسکارف نہیں اتارا۔ یہ دیکھ کر سب سارہ کا مذاق اڑانے لگے۔

”ارے! یوں ہی رہنا تھا تو آج آنا ہی نہیں تھا۔“ کامران ماموں بولے۔

”اچھا! میک اپ تو اچھا سا کرو... آؤ! آئی لائینر لگا دوں۔“ کرن مامی نے پیار سے کہا۔ سارہ اکثر ہی ان سے تیار ہوا کرتی تھی۔

”نہیں! میک اپ کر کے آئی ہوں... آئی لائینر لگانے کا دل نہیں کر رہا۔“ نجانے کیوں وہ آئی لائنر نہیں لگا رہی تھی۔

سارے خوب صورتی سے سجے نانو کے گھر کے نچلے پورشن میں بیٹھے تھے۔ منگنی کی رسم کا انتظام باہر پورچ میں تھا۔ سب لڑکی والوں کا انتظار کر رہے تھے۔ ایک دم شور مچا... لڑکی والے آگئے تھے شاید!

”چلو! سب آجاؤ باہر۔“ کامران ماموں نے سب کو بلایا۔ سب باہر نکلنے لگے۔ سارہ سب سے پیچھے تھی۔ سارہ کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ (جاری ہے)

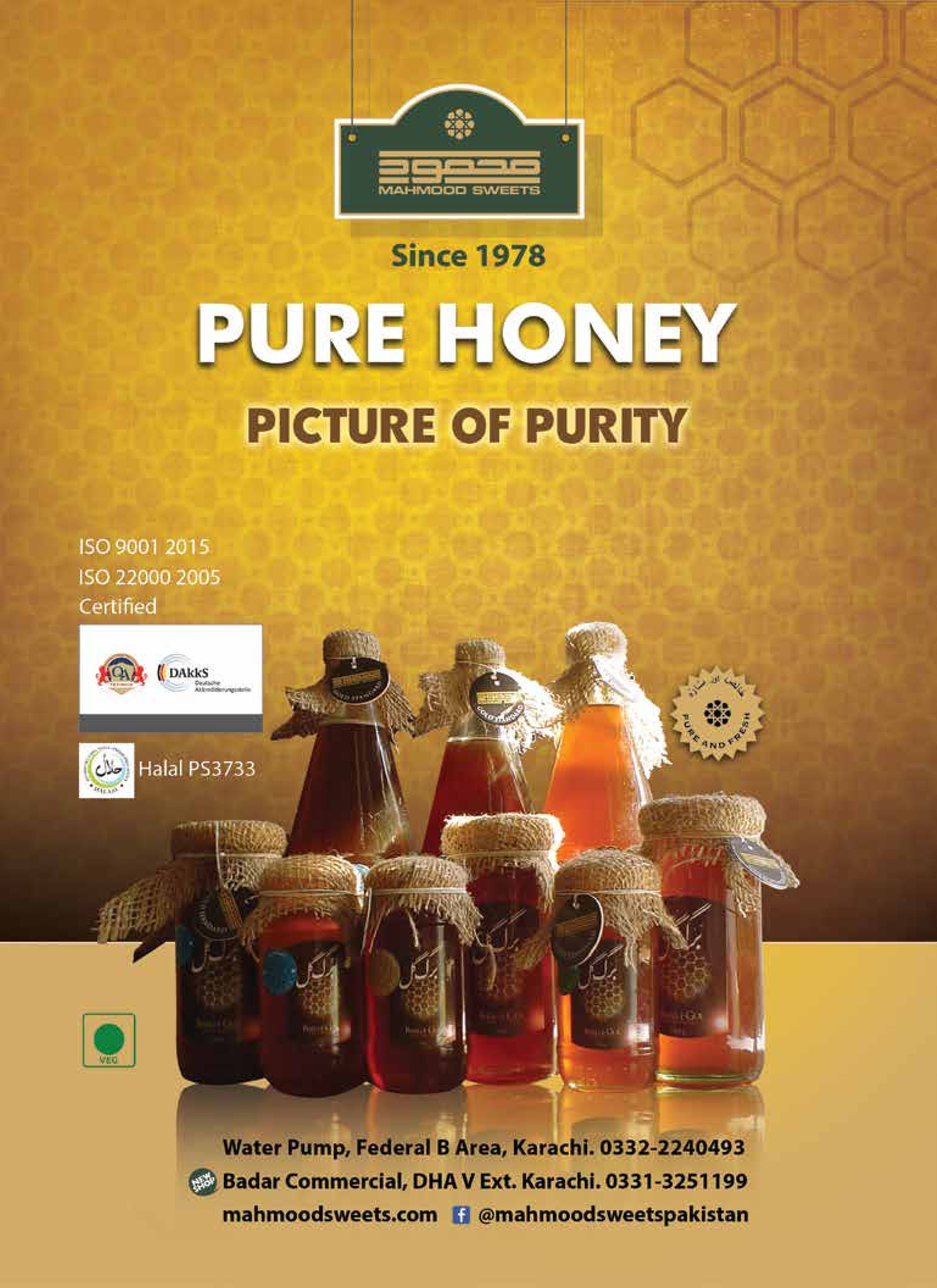

MAHMOOD SWEETS
Since 1978
PURE HONEY
PICTURE OF PURITY
ISO 9001 2015
ISO 22000 2005
Certified
DAkkS
Halal PS3733
PURE AND FRESH
VEG
Water Pump, Federal B Area, Karachi. 0332-2240493
NEW SHOP
Badar Commercial, DHA V Ext. Karachi. 0331-3251199
mahmoodsweets.com
@mahmoodsweetspakistan

محمد دانش

خط نمبر 45

باپ کا بیٹی کے نام خط

صفائی

میری سعادت مند بیٹی۔ ہزار ہا دعائیں!

بیٹی! صحت مند زندگی میں صفائی کی اہمیت سب سے زیادہ ہے اور بیٹی یہ تو آپ جانتی ہی ہیں کہ دینِ اسلام میں صفائی کو نصف ایمان کہا گیا ہے۔ جسم کی صفائی، لباس کی صفائی، گھر ہو یا گلی محلّہ ہر چیز اور ہر جگہ کی خوب صورتی اور حسن اس کی صفائی و ستھرائی پر منحصر ہوتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ تمام ترقی یافتہ ممالک میں صفائی کی اہمیت ابتدا ہی سے بچوں کو نہ صرف ذہن نشین کرائی جاتی ہے، بلکہ ان کی روز مرّہ زندگی میں ان کا معمول اور ان کی عادت بنا دی جاتی ہے۔ صفائی کے ساتھ ساتھ پاک ہونے کا جو تصوّر دینِ اسلام میں دیا گیا ہے، وہ ایک وسیع درجہ کی پاکیزگی کی جانب اشارہ کرتا ہے، جس میں جسم و لباس، ذہن و خیالات اور قلب و نظر کی پاکیزگی اور معاملات کی درستی شامل ہیں، لہٰذا بحیثیتِ مسلمان ہماری یہی کوشش ہونی چاہیے کہ ہم صفائی اور پاکیزگی کے اس معیار پر حتیٰ الامکان پورا اتریں۔ صفائی کا خیال رکھنے میں حفظانِ صحت کے اصول بھی بہت اہمیت کے حامل ہیں، جن پر عمل کر کے ہم کافی حد تک صحت مند، توانا اور بیماریوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ صفائی کا تعلّق امارت یا غربت سے کم اور عادت سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس ضمن میں گندگی کے نقصانات سے آگہی اور صفائی کی اہمیت کا شعور بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

بیٹی! آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہمارے یہاں اکثر جگہ جگہ کوڑے کے ڈھیر پڑے ہوتے ہیں۔ گندگی اور غلاظت سے بھرے کوڑے کے ڈرموں سے بچے کچھ نہ کچھ نکال رہے ہوتے ہیں۔ مکھیوں اور مچھروں کی بھرمار ہوتی ہے۔ زیادہ تر لوگ ان کی پروا بھی نہیں کرتے، یہ سب گندگی کے نقصانات سے لاعلمی اور صفائی کی اہمیت کا شعور نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یہ شعور عام کرنے کی ضرورت ہے اور یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ امیر گھرانوں میں بھی اکثر صفائی کا وہ اہتمام نظر نہیں آتا جو ہونا چاہیے۔ دوسری جانب جن کو صفائی کی اہمیت کا احساس ہوتا ہے، وہ کم آمدنی ہونے کے باوجود بھی صاف ستھرے رہتے ہیں۔ ان کا گھر، بچے، یہاں تک کے گلی محلّے تک صفائی کا مظہر ہوتا ہے۔ پیاری بیٹی! آپ تو سمجھ ہی گئی ہوں گی کہ سب سے بڑا حسن صفائی میں مُضمر ہے۔ صحت بھی صفائی کی مرہونِ منّت ہے۔ آپ کا سراپا اسی صورت میں حسین نظر آئے گا جب سر تا پا صاف ستھرا ہو۔ مجھے امید ہے کہ میری بیٹی صفائی کو اپنا شعار اور عادت بنا کر خوب صورتی کی بنیاد کو اپنا لے گی۔ انشاء اللہ!

بیٹی! انسان کے جسم کی ظاہری صفائی کے ساتھ ساتھ باطنی صفائی بھی بہت اہمیت کی حامل ہے، چناں چہ مربّیٔ اعظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے تزکیۂ نفس کو اپنے انداز و تربیت میں بڑی اہمیت دی ہے اور اس پر خصوصی توجہ فرمائی ہے، کیوں کہ انسانی نفس کا تربیتی امور میں بہت بڑی طاقت اور وجودِ حقائق سے گہرا تعلق ہے۔ جسم کی طاقت محض اس کے مادّی جسم اور حواس کے دائرہ کار تک محدود ہے اور عقل کی طاقت کا دائرہ کار بڑا ہونے کے باجود اپنے دائرہ کار تک محدود ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بہت محنت فرمائی اور ان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے جوڑ دیا۔ اخلاقِ ذمیمہ سے ان کو پاک کر دیا اور ان میں سے ہر نا مناسب عادت کو نکال باہر کیا اور انھیں اچھے اعمال پر لگا دیا جو ان کی تربیت میں رچ بس گئے اور پھر ان کی شان اور زینت بن گئے۔ آپ ﷺ نے ان کو ہر ایسی برائی سے متنفّر کر دیا جو ان کی پاکی اور صفائی کو مکدّر کر دے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس عظیم انعام سے نواز دیا جو کہ نبی کریم ﷺ کے ذریعہ ان کا ''تزکیۂ نفس'' ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اسی طرح ہم نے تمہارے پاس رسول بھیجا تم ہی میں سے جو تم پر ہماری آیات تلاوت کرے اور تمہارا تزکیۂ نفس کرے اور تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور تمہیں وہ کچھ سکھائے جو تم جانتے نہ تھے۔ (البقرۃ: 101) آیتِ مبارکہ میں ''تزکیہ'' کا مطلب یہ ہے کہ ان کو شرک باللہ سے، بتوں کی عبادت کرنے سے، برے اخلاق سے، نفوس کے میل سے، جاہلی افعال سے پاک کر دے اور انھیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال دے، چناں چہ نبی کریم ﷺ کی خصوصی توجہ اپنے صحابہ کے نفوس کو پاک کرنے پر تھی کہ شرک سے توحید کی طرف، ریاکاری سے اخلاص کی طرف، جھوٹ سے سچ کی طرف، خیانت سے امانت داری کی طرف، تکبر سے تواضع کی طرف، نفرت، قطع رحمی اور جدائی سے محبت، مواصلت اور ملاپ کی طرف لائیں۔

دعاگو
آپ کے ابو

اَکرِمُوا اَولَادَکُم

اہلیہ مظفر

''اثمر... ! اثمر... ! !''غصہ سے تنتناتے ہوئے ملک صاحب پورے گھر میں اثمر کی پکار لگاتے پھر رہے تھے۔''کیا ہوا ملک صاحب ! خیریت تو ہے ؟''بیگم صاحبہ شور سن کر حواس باختہ 'سیدھے پاؤں کی چپل اُلٹے پاؤں میں پہنے ہوئے باہر آئیں اور اتنے زور سے اثمر کو پکارنے کی وجہ پوچھنے لگی۔

''کہاں ہے آپ کا یہ لاڈلا سپوت...؟نہ کام کا نہ کاج کا' دشمن اناج کا۔کل میں نے بار ہا اُسے یاد دِہانی کروائی تھی کہ مجھے صبح کام سے حیدر آباد کے لیے نکلنا ہے۔اگر دوستوں کے ساتھ جا رہے ہو تو واپسی پر پٹرول ڈلواتے ہوئے آنا'لیکن نا جی نا... ! آپ کا بیٹا میری کوئی بات سنے تب نا...اس جہاں میں یہ میرا کہنا کوئی مان لے یہ تو ممکن ہی نہیں ہے۔اثمر... !''اپنی بیگم کو اس کے لاڈلے کے کرتوت سنا کر وہ دوبارہ پرانے والیوم میں اثمر کو پکارنے لگے۔مسلسل آوازیں دینے کے ساتھ ساتھ 'ان کے غصے کا گراف بھی بڑھتا جا رہا تھا۔

اثمر 'جو دنیا جہاں سے بے خبر 'اوندھا سیدھا لیٹا خوابِ خرگوش کے مزے لے رہا تھا' اپنے نام کی مسلسل پکار نے اسے گہری نیند سے جگا دیا۔ تھوڑی دیر اور بستر پر اُونگھنے کے بعد 'اسے کسی خطرے کا احساس ہوا۔

''اُوئی ماں... ! آج تو گیا کام سے۔''چادر کو دور پھینکتا' وہ تیزی سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا اور دروازے کو کھولتے ہی 'جس ہستی نے اس کا استقبال کیا'اُس نے اثمر کے چودہ طبق روشن کر دیے۔

''ابو جی ! وہ 'میں 'آنے ہی والا تھا... میرا مطلب ہے آ ہی گیا تھا'بس...''

''خاموش... ! !''ملک صاحب اتنی زور سے دھاڑے کہ اثمر کا حلق ہی خشک ہو گیا۔''میں نے کل کیا کہا تھا تمہیں؟ سنائی نہیں دیتا کیا؟گاڑی کی پوری ٹنکی دوستوں کے ساتھ آوارہ گردی میں جھونک کر ایک سیکنڈ کے لیے بھی خیال نہیں آیا کہ باپ نے کیا کہا تھا؟ مجھے بہت ضروری کام تھا۔ تم نے پورا دن برباد کر دیا میرا۔''اس کو شعلہ بار نگاہوں سے گھورتے ہوئے ملک صاحب کا بَس نہیں چل رہا تھا کہ اس کا گلا دبا دے۔

''ابو جی ! ہم آوارہ گردی نہیں کر رہے تھے۔ہم تو پڑھنے کے لیے...''

''اثمر !''ملک صاحب کے پیچھے کھڑی بیگم صاحبہ نے ہلکی آواز میں اثمر کہہ کر ہاتھ کے اشارے سے اسے خاموش رہنے کو کہا۔''اب جاؤ ! گاڑی میں پیٹرول ڈلواؤ اور حیدر آباد جا کر یہ رسید مُغنی صاحب کو دو اور کہنا کہ ابو جی کل پرسوں تک چکر لگائیں گے۔''

''حیدر آباد جاؤں ! ! اتنی گرمی میں !''اثمر نے پھنسی پھنسی آواز میں اپنا احتجاج نوٹ کرانا چاہا'لیکن ملک صاحب کی ایک گھورتی نظر نے اس کا منہ بند کروا دیا۔

''اب جاؤ !''ملک صاحب نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

باپ کے کہنے پر اثمر غصے سے پیر پٹختا ہوا نو دو گیارہ ہو گیا۔''ملک صاحب ! بچے کو

ناشتہ تو کرنے دیتے۔" بیگم صاحبہ کو یہ زیادتی برداشت نہیں ہوئی تو وہ کہہ اٹھی۔
"آپ خاموش رہیں...!! آپ کے اس لاڈپیار کی وجہ سے اس کے اندر احساسِ ذمہ داری نام کی کوئی چیز نہیں رہی۔" یہ کہہ کر ملک صاحب آرام کرنے چل دیے اور بیگم صاحبہ کافی دیر تک اپنے بچے کا سوچتے ہوئے کُڑھتی رہی۔

"میں نے جو کہہ دیا سو کہہ دیا۔ میں میڈیکل کے فارم لے آیا ہوں۔ آج فِل کر کے مجھے دے دینا۔ میں کل جمع کروادوں گا۔" ملک صاحب اپنے ازلی دوٹوک انداز میں اثمر کو باور کرارہے تھے۔ "لیکن ابوجی! میرے سارے دوست انجینیئرنگ کی فیلڈ جوائن کررہے ہیں اور میں بھی اسی فیلڈ میں جانا چاہتا ہوں۔"
"تمہارے دوست!!" ملک صاحب استہزائیہ ہنسے۔ "ان کے ساتھ تم کچھ اور تو بن سکتے ہو، لیکن انسان بنو...!! اس کا مجھے ایک فیصد بھی یقین نہیں ہے۔" یہ کہہ کر ملک صاحب نے اپنے سامنے اخبار کھول لیا، یعنی یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ اب بات ختم اور اثمر خون کے گھونٹ پیتا ضبط کے کڑے مراحل سے گزرتا ہوا ملک صاحب کو دیکھے جارہا تھا۔
"اب جاؤ! میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ فارم فِل کر کے دو مجھے۔" ملک صاحب نظریں اخبار میں جمائے، چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے بولے تو اثمر ایک جھٹکے سے اٹھا۔
مُٹھیاں بھینچے، لب دانتوں میں دبائے، وہ جس غصے کی حالت میں اٹھا تھا، اس نے بیگم صاحبہ کا دل دہلادیا تھا، وہ تیزی سے اس کے پیچھے جانے لگی... لیکن پیچھے سے آتی ملک صاحب کی آواز نے ان کے قدم روک دیے۔
"بیٹھ جائیں...!! خودکشی نہیں کرنے والا آپ کا بیٹا!! اس کے لیے بھی دل گُردے کی ضرورت ہوتی ہے، جو آپ کے بیٹے میں سرے سے نہیں ہے۔"
"خدا کا واسطہ ہے ملک صاحب!! ہاتھ ہلکا رکھیں۔ جوان خون ہے۔ کچھ ہوگیا تو نقصان اپنا ہی ہونا ہے۔" آج بیگم صاحبہ کی بھی برداشت جواب دے گئی تھی، لیکن ملک صاحب نے ان کے غصے کو ہرگز بھی درخورِ اعتنا نہیں جانا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"یار اثمر! تُو ایک بات تو بتا... کیا واقعی میں یہ تیرے سگے باپ ہیں؟ آئی مین ملک صاحب؟" یہ ایاز تھا، اثمر کا جگری دوست۔ "آئی کانٹ بلیو دِس یار!" یہ کہنے کی ہمت ایاز ہی کرسکتا تھا اور یہ کہتے ہوئے وہ اتنا متاسّف لگ رہا تھا، جیسے اسے ملک صاحب کا اثمر کے باپ ہونے کا شدید افسوس ہو۔ "ہم تو نہ تین میں نہ تیرہ میں۔ تُو تو یار اِکلوتا بیٹا ہے اور اکلوتے بیٹے کی اہمیت سے کون احمق ناواقف ہوگا اور ایک تُو ہے...!! ہمارے جیسا ہی حال ہے تیرا بھی۔ تجھ سے بہتر تو پھر ہم ہی ہوئے...!!"
"یار! اتنے بھی برے نہیں ہیں میرے ابوجی، جتنی بری تُو شکلیں بنارہا ہے۔" اثمر، ایاز کے اندازِ بیاں پر ہنستے ہوئے بولا۔
"ہنس لے بیٹا! ہنس لے!! خوب ہنس لے!! باقی گھر جاکے تو تجھے ویسے بھی رونا ہی ہے۔" وہ منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ایسے حتمی لہجے میں کہہ رہا تھا، جیسے اسے پکا یقین ہو کہ گھر جاکر اثمر کو رونا ہی ہے۔ "اچھا...!!" اثمر اپنی ہنسی ضبط کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے، اس کے کندھے پر مکا مار کر اٹھ کھڑا ہوا۔
"بدتمیز!" ایاز کو پوری قوت سے مارے گئے مُکے پر بری طرح تاؤ آیا، پھر وہ بھی اپنے کندھے سہلاتا ہوا اس کے پیچھے چل پڑا۔ "ہاں تو پھر تو میڈیکل میں ہی جائے گا؟" ایاز راستے میں آئے چھوٹے پتھر کو پاؤں کی ٹھوکر سے آگے لُڑھکاتا ہوا پوچھ رہا تھا۔
"ظاہر ہے یار!" اثمر لاپرواہی سے بولا۔
"لیکن یار! تو اپنے ابو سے ایک اور دفعہ بات تو کر کے دیکھ، شاید مان جائیں۔" ایاز نے اپنی آخری کوشش کر کے اثمر کو آمادہ کرنا چاہا۔ "نہیں مانیں گے۔ مجھے پتا ہے، ان کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں۔ بول کے منہ کی ہی کھانی پڑے گی۔"
"اثمر...!!" وہ دونوں اپنے ہی دھیان میں چلے جارہے تھے، جب پیچھے سے آتی آواز نے ایک لحظہ کے لیے دونوں کی سانسیں روک دیں۔
ایاز: "مارے گئے...!! جَل تُو جلال تُو آئی بلا کو ٹال تو۔" کا ورد کرتا کھسکنے لگا۔
"جی، ابوجی!" ایاز کے اس انداز پر اثمر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھلنے لگی، لیکن وہ ہونٹ بھینچتا ہوا ملک صاحب کی طرف بڑھا۔
"یہاں کیا کررہے ہو تم؟" انھوں نے غضب ناکی سے استفسار کیا۔
"کچھ نہیں ابوجی... بس! ویسے ہی۔" وہ نظریں جھکا کر بولا۔
"وہ تو نظر آرہا ہے، کچھ نہیں...!!" ملک صاحب ایاز کی طرف کڑے تیوروں سے دیکھتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہنے لگے، پھر اثمر کا ہاتھ پکڑ کر اس کو اپنے ساتھ ایسے گھسیٹنے لگے، جیسے وہ کوئی تین، چار سال کا بچہ ہو۔ ان کے اس طرح کھینچنے پر اثمر کو سخت شرمندگی محسوس ہوئی تو وہ دوسرے ہاتھ سے اپنا ہاتھ ملک صاحب کے ہاتھ کے اوپر رکھ کر آہستگی سے نکالنے لگا۔
"ابوجی! آپ جائیں۔ میں آجاؤں گا۔" وہ نرمی سے کہنے لگا۔
"کب آؤ گے...؟ میڈیکل کی ٹف پڑھائی اُن لُچّے لفنگوں کے ساتھ گھومنے پھرنے میں ضائع کر کے میری ناک کٹواؤ گے اور کر بھی کیا سکتے ہو تم...؟ میں تمھیں اِن کے ساتھ چھوڑ کر چلا جاؤں، تاکہ تم گھر کا راستہ ہی بھول جاؤ۔" ملک صاحب کو اثمر کا اپنا ہاتھ چھڑانا برداشت نہیں ہوا، وہ اپنی بھڑاس نکالتے ہوئے، جو منہ میں آیا بولتے چلے گئے اور ان کے انتہائی سخت الفاظ نے، جہاں ایاز کا چہرہ سُرخ کردیا تھا، وہاں اثمر کی رنگت بھی متغیر ہوگئی اور پھر وہ بغیر کچھ کہے، چپ چاپ ایک سمت چل پڑا اور اس کے پیچھے چلتے ہوئے ملک صاحب نے ایک سیکنڈ کے لیے، یہ دیکھنا بھی گوارا نہ کیا کہ ان کے الفاظ نے کس پر، کیسا ستم ڈھایا ہے۔ آج پھر ملک صاحب نے اثمر سے اس کا سب سے اچھا دوست جُدا کرواکر، اسے یہ باور کروادیا تھا کہ وہ اس کے باپ ہیں، جو چاہے کرسکتے ہیں اور اثمر اپنا آخری دوست کھو کر اور اکیلا ہوکر اپنے خول میں سِمٹ سا گیا تھا۔

"آپ اس کی اتنی حمایت نہ کریں بیگم ...! ہم اس کا اچھا برا آپ سے زیادہ جانتے ہیں۔"
"لیکن ملک صاحب! اثمر، زاور بھائی کے گھر رشتہ کرنا چاہتا ہے، وہ کہہ رہا ہے کہ میں مغنی صاحب کی فیملی میں مرکر بھی شادی نہیں کروں گا۔" بیگم صاحبہ نے بے ساختگی میں اثمر کے الفاظ من و عن ملک صاحب کے سامنے کہہ کر ان جانے میں ان کے غصے کو اور بھڑکا دیا تھا۔
"کیوں؟ کیا کمی ہے مغنی صاحب کی بیٹی میں اور آپ کے بھائی کی بیٹی میں کون سے سُرخاب کے پَر لگے ہوئے ہیں۔" بیگم صاحبہ، اثمر کی بات ملک صاحب کے سامنے رکھ کر بری طرح پچھتائی۔
ملک صاحب غصے میں چلّا کر بولتے ہوئے اب ہانپنے لگے تھے۔ عمر کا بھی تقاضا تھا۔

بڑھتی عمر نے ان کی صحت گرا دی تھی۔ اب تھوڑا سا غصہ بھی ان کا بلڈ پریشر انتہائی حد تک بڑھا دیتا تھا' وہ جلدی سے پانی لے آئی' لیکن ملک صاحب نے پانی کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور باہر جانے لگے۔

"اور ہاں ! اپنے لاڈلے کو بتا دیں کہ اِس جمعہ کو اس کا نکاح ہے' وہ اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار کر لے اور خبردار جو اس نے اُلٹی سیدھی کوئی حرکت کی تو۔" آخری جملہ انھوں نے تنبیہ کرتے ہوئے کہا اور چلتے بنے۔

بیگم صاحبہ جانتی تھی کہ ان کا اثمر' نہ مغنی صاحب کی بیٹی کو جانتا ہے اور نہ ہی زاور بھائی کی بیٹی کو...وہ تو بس ! باپ کی ضد میں آکر باپ کے طے کردہ رشتے سے انکار کر رہا تھا اور متبادل کے طور پر زاور ماموں کی بیٹی کا نام رکھ دیا تھا۔ دونوں ہی باپ بیٹے ایک دوسرے کو سننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ بیگم صاحبہ گویا ان دونوں کی ترجمان بنی ہوئی تھی۔ دونوں کے پیغام ایک دوسرے کو وہی پہنچایا کرتی تھی۔

نہ وہ آج تک اثمر کو ملک صاحب کی کسی بات کے لیے قائل کر سکی تھی اور نہ ہی کبھی ملک صاحب کو اثمر کے لیے...اور وہ ابھی بھی آنکھوں میں نمی لیے سوچ رہی تھی کہ جب وہ اثمر کو ملک صاحب کا پیغام پہنچائے گی تو اس کا ری ایکشن کیا ہوگا اور وہ اسے کیسے کنٹرول کرے گی؟

"اثمر ! میرا بچہ ! بس کر دے' وہ باپ ہیں تیرے۔ اتنا غصہ نہ کر میرا بچہ۔" بیگم صاحبہ' اثمر کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہی تھیں' جو غصے میں ہر چیز اٹھا اٹھا کر زمین پر پٹخ رہا تھا۔

"کیا مطلب...؟؟ باپ ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ اپنے فیصلے مجھ پر مسلّط کریں گے۔ ہر وقت میرا اور میرے دوستوں کا مذاق اڑائیں گے۔ کیا ایسے ہوتے ہیں باپ...؟ نہیں کرنی میں نے ان کے دوست کی بیٹی کے ساتھ شادی تو بس نہیں کرنی' لیکن نہیں...!! میری رائے کا پتنگڑ بنانا تو جیسے ان کا قومی فریضہ بن چکا ہے نا... میں ان کا بیٹا ہوں یا کوئی ملازم؟" اس کا چہرہ اتنا سرخ ہو رہا تھا' جیسے جسم کا سارا خون چہرے میں سمٹ آیا ہو' اس کے لہجے میں باپ کے لیے' وہ ادب مفقود ہو چکا تھا' جس کا ساری زندگی بیگم صاحبہ اثمر کو درس دیتی آئی تھی۔ وہ تو باپ بیٹے کے درمیان سینڈوچ بنی ہوئی تھی۔ کبھی ایک کو ٹھنڈا کرتی تو کبھی دوسرے کو' پھر بھی سمجھتا کوئی نہیں تھا۔ بے بسی کا احساس اتنا شدید تھا کہ ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اثمر کی نگاہ جب اپنی ماں پر پڑی تو ان کی آنکھوں میں آئے آنسوؤں نے اسے ایک دم ٹھنڈا کر دیا۔

"او ہو' امی ! ! آپ کیوں رو رہی ہیں؟" اثمر نے ماں کو اپنے بازوؤں میں لے کر کہا۔

"میں کیا کروں بیٹا ! تمہارے باپ کو کہتی ہوں تو وہ سمجھتے نہیں۔ تُو تو میرا عقل مند بیٹا ہے نا...تُو ہی سمجھ جایا کر۔" وہ اپنی بے بسی کو واضح کرتی اتنی اذیّت میں لگی کہ اثمر بری طرح شرمندہ ہو گیا۔

"آپ کیوں گِلٹی فیل کر رہی ہیں امی ! اچھا' سوری ! آئندہ غصّہ نہیں کروں گا' بلکہ اچھے بچوں کی طرح سہہ جاؤں گا۔ ٹھیک ہے !" وہ اپنی ماں کو اذیّت سے نکالنے کے لیے خود دُوہری اذیّت میں پڑ گیا۔ "اب مسکرا دیں...!! آپ روتے ہوئے بالکل اچھی نہیں لگتیں! آپ کے لیے تو آپ کا بیٹا مار کھانے کے لیے بھی تیار ہے اور آپ ڈانٹ کی بات کر رہی ہیں۔ بڑا جی دار ہے آپ کا بیٹا۔" آخری جملہ اس نے قریب آکر سرگوشی میں کہا۔ شرارت اس کے لہجے سے ہویدا تھی۔ بیگم صاحبہ اس کے لہجے کی شرارت محسوس کر کے اسے سر پر چپت لگاتے ہوئے ہنس پڑیں اور باہر کھڑے ملک صاحب ساکت رہ گئے...!!

شادی کے پندرہ سال بعد بہت منّتوں' مرادوں کے ساتھ پیدا ہونے والا اثمر' ملک صاحب کی اور بیگم صاحبہ کی جان تھا' وہ تو ایک لمحہ کے لیے بھی اسے اپنی نگاہوں سے اوجھل دیکھتے تو بری طرح پریشان ہو جاتے۔ ملک صاحب کی بیوی ان کی اس حد تک دیوانگی پر ہنستی تھی' بلکہ رشتہ دار اور آس پڑوس کے لوگ تک ان کے اس دیوانے پن سے واقف تھے' لیکن وہ کسی کی بات کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔

یہ کوئی اس وقت کی بات ہے' جب اثمر 7 سال کا تھا۔ ملک صاحب اپنے ڈیرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ رات کا وقت تھا' ان کے ساتھ ان کے علاقے کے دوست وغیرہ بھی تھے۔ جب اثمر اندر سے دوڑتا ہوا آیا اور ملک صاحب سے آئس کریم کی فرمائش کی' وہ کیسے اثمر کی فرمائش کو ٹالتے' فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے۔ دوستوں نے منع کیا کہ بارش کی وجہ سے گاؤں میں جگہ جگہ پِھسلن ہے ابھی مت جاؤ' لیکن انھوں نے کسی کی بات نہ مانی اور اثمر کی انگلی تھامے چل پڑے۔ راستے میں پِھسلن واقعی میں بہت تھی اور اوپر سے رات کی تاریکی! اس تاریکی میں موبائل کی ٹارچ کی روشنی بھی ناکافی تھی۔ چلتے چلتے اچانک سے ملک صاحب کے پاؤں میں کوئی چیز پڑی تو وہ اسے ہٹانے کے لیے جُھکے اور یہیں پر ان سے غلطی ہوئی۔ اثمر نے جو باپ سے اپنی چھوٹی ہوئی انگلی دیکھی تو وہ تیزی سے آگے بڑھا اور سیدھا آگے کھائی میں جا گرا' اس کی چیخوں سے پورا گاؤں گونج اٹھا۔ پورے دو مہینے زندگی اور موت کی جنگ لڑتے لڑتے اثمر' ملک صاحب کو نجانے کتنی دعاؤں سے دوبارہ ملا تھا' وہ خدا ہی جانتا تھا' لیکن اس کے بعد ملک صاحب کے دوستوں کی اس بات نے انھیں وہمی بنا دیا کہ "ہو نا ہو' یہ سب تمہارے زیادہ لاڈ پیار کی وجہ سے ہوا ہے۔"

ملک صاحب کے خیال میں اثمر کی حفاظت اِن کی سختی میں ہے۔ یہ سوچ کر وہ اثمر کے لیے ایک سخت گیر باپ بن گئے اور ان کی اسی سوچ نے ان کی واحد اولاد کو بھی ان سے دور کر دیا۔ وہ محبت' جو کبھی وہ اثمر سے کرتے تھے' کہیں جا سوئی تھی۔ محبت تو محبت' وہ عزت جس کی اولاد متمنّی ہوتی ہے' ملک صاحب پھر اپنی اولاد کو وہ کبھی نہ دے پائے۔

ایک مرتبہ سب کے سامنے اثمر کی کسی رائے کو ملک صاحب نے اتنی سختی سے رد کیا کہ دوسرے لوگ تو ایک طرف خود اثمر بھی بھونچکا رہ گیا تھا اور جن نظروں سے اس نے ملک صاحب کو دیکھا تھا' وہ دیکھ کر امام صاحب بھی بیٹے کے دل میں پنپتی باپ کی نفرت جان گئے تھے اور انھوں نے دو تین بار ملک صاحب کو صاف لفظوں میں کہا تھا کہ "اولاد کو عزت دیں ملک صاحب ! ورنہ یہ اولاد آپ کی عزت کرنا بھول جائے گی۔" لیکن اس وقت ملک صاحب' امام صاحب کی باتوں کو ناک پر سے مکھی کی طرح اڑا گئے تھے' لیکن اب وہ بیٹے کی بات سن کر ساکت کھڑے تھے:

"کیا ایسے ہوتے ہیں باپ...!!"

انھوں نے اپنی بے جا سختی سے اپنا کُل سرمایہ گنوا دیا تھا' لیکن چودہ سو سال پہلے کا حضور ﷺ کا وہ قول: اَکْرِمُوْا اَوْلَادَكُمْ ہر دور کے والدین کے لیے تھا' لیکن ملک صاحب جب نبی کریم ﷺ کے اس قول کو بھلا بیٹھے تھے تو ان کی اولاد نے بھی ان کی عزت کرنا بھلا دی تھی اور اب نجانے کب تک ملک صاحب کو اِسی سود و زیاں میں پڑے رہنا تھا۔

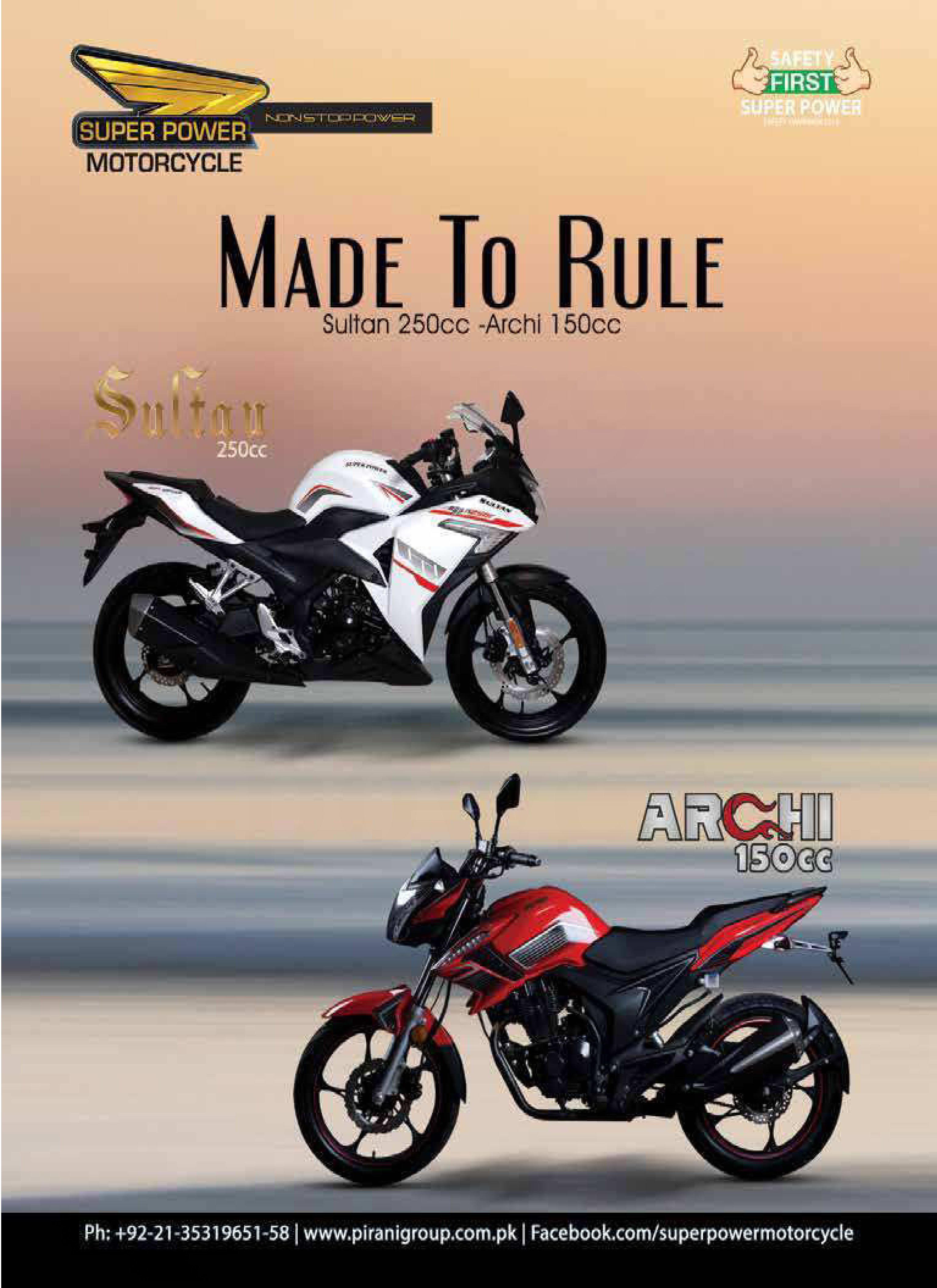
SUPER POWER
MOTORCYCLE
NONSTOPPOWER
SAFETY
FIRST
SUPER POWER
MADE TO RULE
Sultan 250cc -Archi 150cc
Sultan
250cc
ARCHI
150cc
Ph: +92-21-35319651-58 | www.piranigroup.com.pk | Facebook.com/superpowermotorcycle

عکراش اور عکرمہ آج اپنے امی' ابو' دادا' دادی اور چاچو کے ساتھ کراچی کے ساحلی علاقے سی ویو گئے تھے۔
عکراش اور عکرمہ کو بہت ہی مزہ آرہا تھا' کیوں کہ وہ دونوں لاہور میں رہتے تھے۔
آج کل چھٹیوں میں کراچی آئے ہوئے تھے' ان کو سمندر دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ سی ویو دیکھ کر وہ دونوں خوش بھی تھے اور حیران بھی۔
"سمندر کتنا اچھا لگ رہا ہے نا...؟" عکراش حیرت سے کہہ رہا تھا۔
"میں نے اپنی جغرافیہ کی کتاب میں "جوار بھاٹا" کا لفظ پڑھا ہے۔ یہ کیا ہوتا ہے دادا ابو؟" عکرمہ پوچھ رہا تھا۔
"مدّوجزر کو جغرافیائی اصطلاح میں "جوار بھاٹا" کہتے ہیں۔ سمندر کا پانی دن بھر اور رات بھر میں دو دفعہ چڑھتا اور دو دفعہ اُترتا ہے۔
یعنی تقریباً چھ گھنٹے ساحل کی طرف بڑھتا ہے اور چھ گھنٹے اُترتا ہے۔ سمندر کے پانی کے اس چڑھاؤ کو عربی میں "مدّ" اور اتار کو "جزر" کہتے ہیں۔"
دادا ابو نے تفصیل سے سمجھایا۔
"دادا ابو! کیا اس مدوجزر کا چاند سے تعلق ہوتا ہے؟" عکراش نے سمندر اور پھر چاند پر نظریں جماتے ہوئے سوال کیا۔
"ہاں' بیٹا! ہر اتار چڑھاؤ چاند کی کشش کا نتیجہ ہے۔ چاند' سورج سے بہت چھوٹا ہے'
لیکن زمین سے اس کا فاصلہ سورج کے مقابلہ میں بہت کم ہے' اس لیے چاند کی کشش سمندر کے پانی پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔"
"دادا ابو! سورج چوں کہ بہت زیادہ دور ہے' اس لیے سمندر کے پانی پر کیا اُس کا بہت کم اثر ہوتا ہے؟" عکراش بولا۔
"ہاں' بیٹا! بالکل یہی بات ہے۔" دادا کچھ سوچتے ہوئے' پھر بولے: "بیٹا! سمندر ہماری زمین کے گرد غلاف کی طرح چڑھا ہوا ہے۔
زمین کی محوری گردش کی وجہ سے سمندر کا جو حصہ چاند کے سامنے آتا ہے' چاند اس کے پانی کو اپنی طرف کھینچتا ہے
اور سمندر کے پانی میں چڑھاؤ شروع ہو جاتا ہے' اسی طرح اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے۔"
"دادا ابو... ! کیا کھلے سمندر میں اور ساحل کے قریب لہروں کی بلندی میں فرق ہوتا ہے...؟"
"ہاں' بیٹا! کھلے سمندر میں' اس کی لہریں تین سے چار فٹ بلند ہوتی ہیں اور ساحل کے قریب اس کی سطح اور زیادہ بلند ہوتی ہے۔"
"دادا ابو! اللہ تعالیٰ نے سمندر میں مدّوجزر کیوں رکھا ہے؟ اس سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟" عکراش نے سوچ میں ڈوبتے ہوئے کہا۔
"بیٹا! مدّوجزر کی وجہ سے دریاؤں کے دہانوں پر جو ریت اور مٹی جمع ہو جاتی ہے' وہ سمندر میں چلی جاتی ہے۔
کم گہرے سمندر میں جہاز ساحل تک نہیں پہنچ سکتے تو چڑھاؤ کے وقت' وہاں جہاز بندرگاہ تک پہنچ جاتے ہیں'
کیوں کہ چڑھاؤ کی وجہ سے وہاں پر پانی کی گہرائی زیادہ ہو جاتی ہے۔" دادا ابو نے مسکرا کر سمجھایا۔
"ایک فائدہ اور بھی ہے۔" چاچو نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔ "مدّوجزر کی وجہ سے سمندر کا پانی آپس میں مل جاتا ہے اور حرکت کرتا رہتا ہے'
اس طرح سمندر کا پانی بدبودار نہیں ہوتا اور ساحل کے قریب گھونگے' سیپیاں وغیرہ بھی چھوڑ جاتا ہے۔" عکراش اور عکرمہ تمام گفتگو بہت غور سے سن رہے تھے۔
"اللہ تعالیٰ نے یہ زمین' یہ فضا' یہ سمندر سب کتنا اچھا بنایا ہے نا؟" وہ بولا۔
"ہاں' بیٹا! اب ہم کو چاہیے کہ اب ہم یہاں امن وامان سے رہیں۔ محبت سے رہیں اور اپنے رب کی بندگی کریں۔"
اسی وقت امی نے آواز دی' وہ ساحل کے قریب دسترخوان لگا چکی تھیں۔ عکراش اور عکرمہ سوچ رہے تھے' آج یہاں ساحل پر بیٹھ کر کھانا کتنا یادگار رہے گا۔

جوار بھاٹا

فوزیہ خلیل

بھن بھن مکھی

ڈاکٹر الماس روحی

وہ ایک خوب صورت باغ تھا، جہاں طرح طرح کے پھول کھلتے تھے، جن میں بِھینی بِھینی خوش بو تھی۔ اس باغ میں ایک بڑا سا نیم کا گھنا درخت تھا۔ اس درخت کی ایک شاخ پر شہد کا لمبا چوڑا چھتّا تھا، جس میں ڈھیروں مکّھیاں صبح سے شام تک شہد جمع کرتی تھیں۔ رانی مکھی چھتّے پر بیٹھی حکم چلاتی تھی۔ یوں تو ساری مکھیاں مِل جُل کر رہتی تھیں، لیکن دو مکھیاں جنھیں رانی مکھی ”ٹینی اور مینی“ کہتی تھی۔ یہ دونوں آپس میں لڑتی جھگڑتی رہتی تھیں۔ اس روز بھی ایسا ہی ہوا... بِھن بِھن کرتی ٹینی کو بھوک لگی تھی۔ بہت دیر سے وہ کسی رَس دار پھول کی تلاش میں تھی۔ آخر اسے ایک بڑا سا سُرخ گلاب دکھائی دیا، وہ خوش ہو گئی اور دل میں کہنے لگی: ”اس گلاب کا رَس پیتے ہی میرا پیٹ بھر جائے گا اور اس کا رَس رانی مکھی کو بھی پسند آئے گا۔“ اس نے پھول کے اِرد گرد بِھن بِھن کر کے ایک دو چکر لگائے اور پھر اپنے پاؤں نیچے کر کے پَر سمیٹے تو پھول پر پہلے سے بیٹھی مینی کی چیخ نکل گئی۔ ”ہائے! ! میں مر گئی۔ موٹی ٹینی... اندھی ہو گئی ہو کیا... کچھ بھی نظر نہیں آتا تمھیں... مجھ پر بیٹھ گئی۔“

مینی نے ایک لات ٹینی کو ماری۔ ٹینی نے بھی غصّے میں مینی کا منہ نوچا۔ ”ہٹو... بس! پی چکی رَس۔ مجھے بھی پیٹ بھرنے دو۔“ ٹینی نے غصّے سے کہا۔

”کیا بد تمیزی ہے۔ یہاں میں پہلے آئی تھی۔“ ”کب تک بیٹھو گی۔ کیا سارا پھول کھا جاؤ گی۔“ ٹینی بولی۔

بس ٹینی کا یہ کہنا تھا کہ مینی کو تاؤ آیا، اس نے پَر پھیلائے اور غصّے میں بِھن بِھن کر کے اُڑنے لگی۔ ٹینی نے شکر ادا کیا اور دل میں کہنے لگی: ”چلو گئی، جان چھوٹی۔“ اور ٹینی پھر سے پھول کا رَس چوسنے لگ گئی۔ اتنے میں مینی نے اسے زور سے دھکا دیا اور ٹینی بد حواس ہو کر پھول سے زمین پر جا گری، اس اچانک حملے نے اسے پریشان کر دیا، پھر ٹینی نے بھی پَر پھیلائے اور بِھن بِھن کر کے اڑتی ہوئی ٹینی سے لڑنے لگی۔ دونوں ایک دوسرے کا منہ نوچ رہی تھیں اور بِھن بِھن کرتے ہوئے اُڑ رہی تھیں۔ ان کو یوں لڑتا دیکھ کر اِرد گرد کی مکّھیوں نے رانی مکھی کو جا کر بتا دیا کہ ”ٹینی، مینی ایک بار پھر گتھم گتّھا ہیں۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنا کوئی نقصان کریں، رانی مکھی! آپ ان کی صُلح کروا دیں۔“ رانی مکھی اپنے پہرے داروں کے ساتھ جب باغ میں پہنچی تو ٹینی کا ایک پنکھ اور مینی کا انٹینا ٹوٹ چکا تھا اور دونوں زخمی حالت میں رو رہی تھیں۔ رانی مکھی کو ان کی حالت دیکھ کر بہت افسوس ہوا اور ان دونوں کو یہ کہہ کر اپنی فوج سے بے دخل کر دیا کہ ”یہ دونوں بہت لڑتی ہیں اور معذور بھی ہو چکی ہیں۔ اب یہ دونوں ہمارے کسی کام کی نہیں، لٰہذا یہ دونوں اب ہمارے ساتھ نہیں رہیں گی۔“ یہ سن کر وہ دونوں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں اور رانی مکھی سے معافیاں بھی مانگنے لگیں، لیکن رانی مکھی اگلے ہی لمحے پَر پھیلا کر جا چکی تھی۔

رات ہونے والی تھی اور دونوں کو بھوک لگ رہی تھی۔ آخر کب تک پڑی رہتیں۔ ٹینی نے جیسے ہی پنکھ پھیلائے تو اس کا ایک پَر پھیلا اور دوسرا پَر تو لڑائی میں ٹوٹ چکا تھا، وہ نہ اڑ سکی اور دوسری نے پھول پر بیٹھ کر اپنا انٹینا ہلایا تو ایک انٹینا کی کمی محسوس ہوئی۔ ”اُف! میں اب کیسے رَس چوسوں گی؟“ مینی پریشان ہو گئی۔ اس صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے دونوں نے مِل جُل کر رہنے کا فیصلہ کیا۔ ٹینی کو مینی ساتھ لے کر اڑتی تھی اور جب دونوں پھولوں پر بیٹھتیں تو ٹینی، مینی کو پھولوں کا رَس اپنے انٹینے سے پلاتی تھی، اس طرح دونوں کا پیٹ بھر جاتا تھا۔

کچھ دِنوں بعد دونوں کو ساتھ ساتھ اڑتا دیکھ کر اور مکّھیاں ڈر گئیں اور مکھیوں میں یہ بات مشہور ہو گئی: ”نہ جانے باغ میں کیا موٹی چیز ہے، جو اُڑتی پھرتی ہے۔“

”یہ کوئی ہماری جیسی مکھی نہیں، بلکہ یہ کوئی اور مخلوق ہے۔ ہم جا کے رانی مکھی کو بتاتی ہیں۔“ رانی مکھی اپنی فوج کے ہم راہ جب آئی اور ان مکّھیوں کو اپنی فوج کے ساتھ گھیر کر کھڑی ہوئی تو یہ دونوں مکّھیاں پتھر پر الگ الگ ہو کر بیٹھ گئیں۔ سب مکّھیاں انھیں دیکھ کر حیران تھیں۔ ”ٹینی اور مینی! تم دونوں ایک ساتھ کس طرح رہتی ہو؟“ رانی مکھی نے حیرت سے پوچھا۔ ”رانی مکھی! ہمیں اب سبق مل گیا ہے۔ مِل جُل کر رہنے میں ہی بھلائی ہے۔ لڑنے جھگڑنے کا انجام برا ہے۔“ رانی مکھی ان دونوں کی بات سن کر خوش ہو گئی اور ساری مکّھیوں نے ان کی دوستی پر تالیاں بجائیں۔ کچھ ہی دنوں بعد ٹینی کا پنکھ اور مینی کا انٹینا پھر سے آ گئے۔ اب دونوں مکّھیاں ساتھ ساتھ اور خوش رہتی ہیں۔

پنکھ... پَر	ہم راہ... ساتھ	انجام... آخر
صلاح... دوستی	لات... پاؤں	اِرد گرد... آس پاس

گڈو میاں بنے حلوائی

اُم مصطفیٰ

اسلم انکل نے محلّے میں نئی نئی جلیبیوں اور دوسری مٹھائیوں کی دکان کیا کھولی، گڈّو میاں تو بس دیوانے ہی ہو گئے۔ چلتے پھرتے انکل کی دکان پر پہنچ جاتے اور پھر انکل کبھی ایک جلیبی... کبھی ایک چھوٹا لڈّو... کبھی برفی کا ٹکڑا... کبھی کچھ تو کبھی کچھ ضرور پکڑا دیتے تھے اور گڈّو میاں کے تو مزے ہی ہو جاتے۔

’’ہاں بھئی، گڈّو...! آج کل کیا کر رہے ہو؟‘‘ انکل اسلم آج کچھ فارغ تھے، اس لیے گڈّو میاں سے باتیں کرنے لگے۔

’’وہ، انکل! بس چھٹیاں ہیں اسکول کی، اسی لیے کھیلتا، گھومتا رہتا ہوں۔‘‘

’’ہم م م...!‘‘ انکل نے کچھ سوچنے والے انداز میں کہا۔ ’’اچھا! کیا تم ان چھٹیوں میں میری دکان پر کام کرو گے؟‘‘

گڈّو میاں سوچ میں پڑ گئے۔ گڈّو کو سوچتا دیکھ کر انکل نے کہا: ’’کام کے بدلے روزانہ پاؤ بھر جلیبیاں ملیں گی۔‘‘

انکل نے تو گویا گڈّو میاں کے دل کی بات کہہ دی، مگر گڈّو میاں اس طرح تو حامی نہیں بھر سکتے تھے، آخر ابو جی کی اجازت بھی تو لینی تھی۔

’’ابو جی...! ہاں کہہ دیں... اسلم انکل بہت اچھے ہیں۔ مجھ سے صرف چھوٹے موٹے کام کروائیں گے۔ ویسے بھی میں گھر میں بور ہوتا رہتا ہوں۔‘‘ گڈّو، ابو جی کو منا رہا تھا۔

’’ٹھیک ہے! مگر صبح کو پہلے اپنا ہوم ورک کیا کرو گے، پھر جایا کرو گے اور شام کو سپارہ پڑھنے کے ٹائم پر واپس آجاؤ گے۔‘‘ ابو جی نے تاکید کرتے ہوئے کہا اور ابو جی کی اجازت پر گڈّو میاں بہت خوش ہوئے اور اسلم انکل کی دکان پر بتانے کے لیے بھاگے۔

آج اسلم انکل، گڈّو کو جلیبی کا آٹا گھولنا سکھا رہے تھے۔ گڈّو میاں اس وقت خود کو ایک حلوائی محسوس کر رہے تھے۔ گڈّو میاں نے کچھ دیر پہلے سوجی کا حلوہ بھی بھوننا سیکھا تھا۔ گڈّو میاں کو ان سارے کاموں میں بڑا مزہ آ رہا تھا۔

اسلم انکل کسی کام سے باہر جانے لگے تو گڈّو کو اپنی سیٹ پر بٹھا گئے۔ انکل کے جانے کے بعد گڈّو کی نظر سامنے ہی رکھے جلیبیوں کے بڑے سے تھال پر پڑی تو گڈّو میاں خیالوں ہی خیالوں میں مسکرانے لگے اور دل ہی دل میں خوش ہونے لگے۔ اچانک ایک آواز نے انھیں چونکا دیا۔

’’ہاں بھئی، گڈّو حلوائی...! آدھا کلو جلیبیاں تو تول دو۔‘‘ یہ فیروز چاچا تھے۔

’’جی، جی... چاچا...!‘‘ گڈّو میاں گھبرا گئے۔ ’’ارے...! حلوائی کی سیٹ پر بیٹھے گھبرا گئے۔‘‘ چاچا نے گڈّو میاں کو ٹوکا۔

’’چاچا! پہلی بار بیٹھا ہے ناں...! چند دنوں میں دیکھنا کیسا سیٹ ہو جائے گا ہمارا گڈّو حلوائی...!‘‘ پیچھے سے اسلم انکل نے ہانک لگائی، دراصل وہ دکان پر کچھ بھول گئے تھے۔

’’گڈّو حلوائی‘‘ کا لقب سنتے ہی سب ہنسنے لگے اور گڈّو کچھ شرما سے گئے۔

PUE

PERVAIZ UMAR ENTERPRISE

Highly Experienced Clearing & Forwarding Agents
Advisors and Attorneys in Customs Cases

We are a leading CLEARING, FORWARDING concern operating in Pakistan. We excel to the entire satisfaction of our long list of clientele who have always reposted their complete confidence on us. Imbued with this sense of achievement, we are proud of our countrywide clientele of repute. We are approved and enlisted Clearing and Forwarding Agents of all Commercial and National Banks in Pakistan.

We have vast experience of handling more than 65% imports of Heavy Plants, Machinery and Turn-Key Projects of "Textile, Sugar, Cement and Power Sectors" besides other industrial raw material and commercial consignments, which have enabled us to adopt and handle all sorts of imports and have become our permanent business associates.

Head Office, Karachi

1st Floor, Commerce Centre, Hasrat Mohani Road
TEL: 021-32630724 - 32633641 FAX: 021-32633646
EMAIL: pervaizumar@hotmail.com
headoffice@pervaizumarenterprise.com

Branch Office, Lahore

19-G, Gulberg II, Lahore.
Tel: 042-35764929 - 35764933
Fax: 042-35764934

ماہنامہ فہم دین دسمبر کے نئے سوالات

سوال نمبر 1: حضرت مفتی محمد شفیع عثمانیؒ جما ہوا کھانا کھا کر کیوں سو جاتے تھے؟

سوال نمبر 2: حذیفہ نے علی کا کیوں شکریہ ادا کیا؟

سوال نمبر 3: پُل صراط کا چراغ کیا ہے؟

سوال نمبر 4: یوسف بچوں کو کونسے شہر لے کر گیا؟

سوال نمبر 5: حضرت زکریا علیہ السلام کیا کام کرتے تھے ؟

وہ کاغذ کی کشتی، وہ بارِش کا پانی

یہ دولت بھی لے لو، یہ شہرت بھی لے لو
بھلے چھین لو، مجھ سے میری جوانی
مگر مجھ کو لوٹا دو، بچپن کا ساوَن
وہ کاغذ کی کشتی، وہ بارِش کا پانی
محلّے کی سب سے نشانی پُرانی
وہ بڑھیا، جسے بچے کہتے تھے نانی
وہ چہرے کی جھریوں میں صدیوں کا پھیرا
بھُلائے نہیں بھُول سکتا ہے کوئی
وہ چھوٹی سی راتیں، وہ لمبی کہانی
کڑی دُھوپ میں اپنے گھر سے نکلنا
وہ چِڑیا، وہ بلبل، وہ تِتلی پکڑنا
وہ جھُولوں سے گِرنا، وہ گِر کر سنبھلنا
وہ پیتل کے چھلّوں کے پیارے سے تُحفے
وہ ٹوٹی ہوئی چوڑیوں کی نشانی
وہ کاغذ کی کشتی، وہ بارِش کا پانی
وہ کاغذ کی کشتی، وہ بارِش کا پانی

مرسلہ: ضیاء حسین ولی

اکتوبر کے سوالات کے جوابات

سوال نمبر 1: مزاح میں

سوال نمبر 2: قرآن کریم

سوال نمبر 3: اسے شرم آتی تھی کہ کہیں منافقوں میں نام نہ لکھ لیں فرشتے۔

سوال نمبر 4: عبدالباری کی کیپ

سوال نمبر 5: غیبت

نوٹ: آپ کا بنایا ہوا پیارا سا فن پارہ ہو یا سوالات کے جوابات ہوں اس کے ساتھ اپنا نام، عمر، کلاس، ایڈریس اور فون نمبر ضرور لکھیے گا، ورنہ وہ قابلِ اشاعت نہیں ہوگا اور پھر اسے ماہنامہ فہمِ دین کے ایڈریس پر پوسٹ کر دیں، یا پھر واٹس اپ کے ذریعے 0304-0125750 پر ہمیں سینڈ کر دیں۔

نوٹ: پیارے بچو! اس صفحے پر جو سوالات آپ سے پوچھے جاتے ہیں، ان کے جوابات ایک شمارہ چھوڑ کر اگلے شمارے میں ذکر کیے جائیں گے، تاکہ زیادہ سے زیادہ بچوں کے جوابات وصول ہو سکیں، پھر درست جواب دینے والوں کے نام بھی بتائیں گے اور اوّل، دوم، سوم کے لیے انعامات کا بھی۔

اکتوبر کے سوالات کا درست جواب دے کر انعام جیتنے والے تین خوش نصیبوں کے نام

1... محمد عثمان، حفظ، 11 سال، کراچی

2... فاطمہ خالد، حفظ، کراچی

3... اُسید غزنوی، لیول ٹو، بیت السلام کراچی

ان میں سے ہر ایک کو 300 روپے نقد اور ماہنامہ فہم دین مبارک ہو۔

بچوں کے فن پارے

محمد ابراہیم ، لیول ون انگلش لینگویج ، بیت السلام کراچی

محمد یوسف، میٹرک، بیت السلام کراچی

مائرہ وسیم ، ہشتم ، 12 سال کراچی

قرۃ العین ، ششم ، 10 سال، محصنات سکول سسٹم لاڑکانہ

مصطفیٰ حماد ، 4 سال ، روضت السلام کراچی

سید بلال وجاہت، لیول ون، بیت السلام کراچی

خضرہ بتول، ششم ، 10 سال، کراچی

میں اور میرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ

خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ

ہو نعتِ بشر کیا کوئی شایانِ محمدؐ
ہے جب کہ خدا خود ہی ثناء خوانِ محمدؐ
ہو جائے جو یہ عشق میں قربانِ محمدؐ
کہلائے مری جانِ حزیں جانِ محمدؐ
"میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ"

ہر سنتِ حضرتؐ پہ چل سر کے بَل اے دل!
کر دے جو خدا تجھ کو ادب دانِ محمدؐ
کیا بات ہے حضرتؐ کی اطاعت کے شرف کی
شاہانِ دو عالم ہیں غلامانِ محمدؐ
"میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ"

جاں دینے کو تیار ہی رہتے تھے صحابہؓ
کافی تھا فقط جنبشِ مژگانِ محمدؐ
دانائے عرب کا بھی بوجہل پڑا نام
ہونا تھا یہی، تھا وہ بھی نادانِ محمدؐ
"میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ"

اب کیا ہے کسی اور کے پہرے کی ضرورت
اللہ ہو آپ نگہبانِ محمدؐ
جنت میں پہنچ جاؤں یارب! اسی صورت
چھوٹے نہ کبھی ہاتھ سے دامانِ محمدؐ
"میں اور مرے ماں باپ ہوں قربانِ محمدؐ"

گلاب

جوہر عباد

کانٹوں کے درمیان نمو پاتے ہیں گلاب
باغ و چمن کو خوش بو سے مہکاتے ہیں گلاب

خوش بو و رنگ اور بناوٹ میں بے مثال
پھولوں کا بادشاہ جبھی کہلاتے ہیں گلاب

اٹکھیلیاں کرتے ہیں جب یہ بادِ صبا سے
قدرت کا شاہ کار نظر آتے ہیں گلاب

ملتی ہے اِن کو دیکھنے سے فرحت و تسکین
قلب و نظر کو تازگی پہنچاتے ہیں گلاب

مخمل کی طرح نرم و ملائم سی پتیاں
کلیوں میں پہلے دیر تک چھپاتے ہیں گلاب

کرتا ہے اِن کو دیکھ کر اللہ کی ثنا دل
کلیوں کے بعد جوں ہی کِھل کِھلاتے ہیں گلاب

پلنے پہ کام یابیاں، خوشیاں و اعلیٰ جیت
بن کر گلے کا ہار لپٹ جاتے ہیں گلاب

ناراضی، شکوے، گلِوں میں کام آئیں یہ
روٹھے ہوؤں کو خوب ہی مناتے ہیں گلاب

اِن کے بغیر ہوتی ہے تقریب ادھوری
خوشیوں میں سب کی رونقیں بڑھاتے ہیں گلاب

بنتی ہے اِن سے سیج کہیں قبر کی چادر
دیکھیں اگر قسمت بھی جُدا لاتے ہیں گلاب

ہوجاتا ہے اِن کا حُسن دو آتشہ جوہرؔ
شبنم سے دُھل کر اور غضب ڈھاتے ہیں گلاب

گلدستہ

حمدِ باری تعالیٰ

جو ہے حبیبؐ تِرا ترجماں بھی تیرا ہے
وہؐ اِک بشر ہی نہیں رازداں بھی تیرا ہے
فقط زمیں ہی نہیں آسماں بھی تیرا ہے
نظام سارا یہاں بھی، وہاں بھی تیرا ہے
مجھے بھی دونوں جہانوں میں سرخُرو کر دے
کہ یہ جہاں بھی ترا، وہ جہاں بھی تیرا ہے
یہ دِل بھی تیرا ہے اور اُس میں عشق بھی تیرا ہے
چمک رہا ہے اَزل سے جو چاند کی صورت
وہ دل سے داغِ محبت نشاں بھی تیرا ہے
بہار بھی تِری مَرضی، خزاں بھی اَمر تری
یہ فصلِ گل بھی تری گلستاں بھی تیرا ہے
خوشا نصیب کہ شہِ رگ سے بھی قریب ہے تُو
دِیا ہوا یہ پتا یہ نشاں بھی تیرا ہے

عابدؔ شاہ جہاں پوری

رضا بالقضا

قلب کے جن اوصافِ حمیدہ کو حاصل کرنا ضروری ہے، ان میں سے ایک "رضا بالقضا" بھی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جو مصیبت کے وقت مسلم اور کافر کے درمیان امتیاز پیدا کرتی ہے اور جس سے انسان کے غم واَلم، سکون واطمینان سے بدل جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ کی تقدیر کے فیصلوں پر ہر حال میں راضی رہے اور اپنی تقدیر کا شکوہ نہ کرے اور نہ اللہ کے فیصلوں پر اعتراض کرے، بلکہ خوشی ہو یا رنج، تکلیف ہو یا راحت، ہر آن ہر گھڑی یہ بات مستحضر رکھیں کہ قدرت کی مصلحتوں کے تحت یہی چیز مناسب تھی۔

اس پر عام طور سے ذہنوں میں یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ رنج سے رنجیدہ اور خوشی سے خوش ہونا تو انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان کو درد ہو اور وہ اس پر کراہنے کے بجائے خوشی کا اظہار کرے اور اگر کوئی شخص ایسا کرے بھی تو وہ تصنّع ہوگا یا فطرت کے ساتھ بغاوت؟

اس اعتراض کے جواب میں عارفین نے فرمایا ہے کہ "رضا بالقضا" کے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ آدمی کو اسبابِ غم سے غم نہ ہو یا وہ اسبابِ غم سے اُلٹا مسرور ہو، بلکہ رضا بالقضا کا مطلب صرف یہ ہے کہ انسان تقدیر پر معترض نہ ہو، اللہ کا شکوہ نہ کرے، ورنہ تکلیف کو تکلیف سمجھنا "رضا بالقضا" کے خلاف نہیں۔ ہاں! البتہ بعض صوفیائے کرام پر یہ "رضا بالقضا" بطورِ حال طاری ہو جاتا ہے، اس وقت یہ حال ان کی طبیعت ثانیہ بن جاتا ہے، اس کے بعد واقعتاً انھیں تکلیف سے تکلیف نہیں ہوتی، وہ رنج اور مصیبت میں بھی مست اور مسرور رہتے ہیں، لہٰذا جن صوفیا سے یہ منقول ہے کہ وہ اسبابِ غم پر خوش ہوئے، اسی غلبۂ حال پر محمول ہے، جو محمود اور قابلِ تعریف تو ہے، لیکن مطلوب و مقصود نہیں۔ بہر کیف...!! "رضا بالقضا" کا اصلی مفہوم یہ ہے کہ رنج و مصیبت کے حالات میں بھی انسان کے منہ یا دل سے کوئی شکایت کا کلمہ نہ نکلے، اس کے بجائے اس کی زبان ہر وقت اللہ کے شکر اور اس کی حمد ہی سے تر و تازہ رہے، چناں چہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی تلقین یہ ہے کہ انسان کو جب کوئی رنج و تکلیف پیش آئے تو اسے یہی کہنا چاہیے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ یعنی ہر حال میں تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔

(دل کی دنیا، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، صفحہ: 44-45)

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

تری توصیف لکھیں، مدِحت خیرُ البشر لکھیں
الٰہی انگلیوں میں دَم رہے ہم عمر بھر لکھیں
اُتر کر دل کی گہرائی میں حرفِ معتبر لکھیں
نبیؐ کا نام بھی عشقِ نبی میں ڈوب کر لکھیں
قلم کو روشنائی دے کے القاباتِ آقاؐ کی
انھیں بدرُ الدُّجیٰ، شمسُ الضحیٰ، شام و سحر لکھیں
لکھیں ہم پیکرِ حق و صداقت، محسنِ اعظم
امین و قافلہ سالار لکھیں، راہ بَر لکھیں
تمنّا ہے کہ میں اہلِ قلم سے آگہی پاؤں
مجھے اہلِ قلم دیوانۂ خیرُ البشر لکھیں
کریں منظر کشی دل کے ورق پر انؐ کے روضہ کی
سنہری جالیاں، محراب و منبر، بام و دَر لکھیں
یہ مانا وجۂ بخشش نعت بھی ہوتی ہے اے انجمؔ
مگر جو حرف لکھیں ہم سمجھ کر سوچ کر لکھیں

انجمؔ شادانی

میرے بابا جانی!
سب سے پیارے بابا جانی!

جن سے میں نے مسکرانا سیکھا مشکلوں میں، جن کی مسکراہٹ نے میری مصیبتوں کو ہلکا کر دیا، جن کے مسکرانے نے مجھے مایوسیوں سے نجات بخشی، جن کی مسکان پر میری لاکھوں جانیں قربان۔ کیا آپ میرے بابا جانی کی مسکراہٹ دیکھنا چاہیں گے؟ میں جن پہ فِدا ہوں، آپ بھی جب انھیں دیکھیں گے تو فدِا ہو جائیں گے! میں نے کسی کو اتنا مسکراتا ہوا نہ پایا! امی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”جب آپ ﷺ گھر تشریف لاتے تو مسکراہٹ کے ساتھ آتے۔“ صحابہ کرام باتوں میں مصروف ہوتے اور زمانۂ جاہلیت کے کاموں کا ذکر کرتے اور ہنستے تو آپ ﷺ مسکرا پڑتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بتاتے ہیں کہ ”رسول اللہ ﷺ کا رنگ مبارک سفید چمکتا ہوا تھا اور آپ ﷺ کا پسینہ مبارک موتی کی طرح چمک دار تھا اور جب آپ ﷺ چلتے تو آگے جھکتے ہوئے چلتے تھے اور میں نے دیباج اور ریشم کو بھی اتنا نرم نہیں پایا، جتنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی مبارک ہتھیلیوں کو نرم پایا اور مشک و عنبر میں وہ خوش بو نہیں تھی، جو رسول اللہ ﷺ کے جسمِ اطہر میں تھی۔“ (مسلم) دیکھا!! میرے بابا جانی کتنے پیارے ہیں! تو آپ حضرات بھی میرے بابا جانی کی سنت پر عمل کریں اور صدا مسکراتے رہیں، کیوں کہ مسکرانا نیکی ہے، مسکرانا صدقہ ہے، مسکرانا زخموں کی دوا ہے، مسکرانا سنت ہے اور مسکرانا اللہ کو پسند ہے۔

(مرسلہ: امۃ اللہ، میر پور خاص)

آپ کے اشعار

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خَفا میرے لیے ہے!

محمد علی جوہرؔ

دو ہی دن ہے شب و روز، غم و شادی مومنؔ
کچھ ہمیشہ نہ رہے گا نہ رہا، یاد رہے!

مومن خاں مومنؔ

آدمی نہیں سنتا آدمی کی باتوں کو
پیکرِ عمل بن کر غیب کی صدا ہو جا!

اصغر گونڈوی

فطرت میں سلسلہ ہے کمال و زوال کا
گھٹنا ہے بدر کا، تو ہے بڑھنا ہلال کا!

اکبرؔ الٰہ آبادی

سنبھالے رکھ ذرا اے آسماں دیکھ اپنے دامن کو
زمین پر کھینچتا ہے نالۂ شب گیر مرا دِل!

ذوق

خوش اخلاقی

آج کل لوگ مغربی قوم کی بہت تعریف کرتے ہیں کہ یہ بڑے خوش اخلاق ہیں اور ان کی خوش اخلاقی کی تعریف کر کے بسا اوقات مسلمانوں اور اسلام کے مقابلے میں ان کی برتری دل میں آنے لگتی ہے۔ ٹھیک ہے! بعض لوگ حقیقی معنوں میں خوش اخلاق ہوتے ہوں گے، لیکن عام طور پر ان کی خوش اخلاقی تجارتی ہے، وہ مارکیٹنگ کی خوش اخلاقی ہے۔ ایک سیلز مین جو ایک دکان پر کھڑا ہوا ہے، وہ اگر اپنے گاہکوں سے مسکرا کر بات نہ کرے اور خوش اخلاقی سے پیش نہ آئے تو کون اس کا سامان خریدنے آئے گا، وہ تو اپنی تجارت کی خاطر اور اپنے نفع کی خاطر لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنے پر مجبور ہے، لیکن اگر آپ اس سے یہ کہہ دیں کہ تم میرے ساتھ بڑے خوش اخلاقی سے پیش آرہے ہو تو میرے لیے دس روپے کم کر دو تو پھر دکان دار کی ساری خوش اخلاقی رخصت ہو جائے گی، اس لیے کہ وہ ساری خوش اخلاقی تو اس لیے ہو رہی ہے کہ میں اس سے زیادہ سے زیادہ پیسے کھینچ لوں اور اپنا سامان اس کو فروخت کروں۔ یہ کیا خوش اخلاقی ہوئی؟ خوش اخلاقی تو وہ ہے جو انسان کے دل سے اُمڈے اور جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے ہو، جس کا مقصد آخرت کی فلاح ہو، دنیا کے اندر اس کا صلہ مطلوب نہ ہو، یہ ہے خوش اخلاقی۔

یہ خوش اخلاقی کیسے پیدا ہو گی؟ یہ سارا تصوف اور سلوک در حقیقت اسی خوش اخلاقی کو پیدا کرنے کا علم ہے۔ لوگ بزرگوں کی صحبت میں جو جاتے ہیں، وہ در حقیقت اسی خوش اخلاقی کو اپنے اندر پیدا کرنے کے لیے جاتے ہیں۔ اس کا ایک پورا نظام ہے، لیکن میرے نزدیک خوش اخلاقی کی جو کلید ہے، وہ اس وقت عرض کر دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

خوش اخلاقی کی بنیادی کنجی اگر حاصل ہو گئی تو خوش اخلاقی حاصل ہو گئی اور وہ ہے ”تواضع“، یہ ساری خوش اخلاقی کی بنیاد ہے، اگر تواضع پیدا ہو گئی تو اب متواضع آدمی بد اخلاق نہیں ہو سکتا، اس لیے بد اخلاقی جب بھی ہو گی، اس میں تکبر شامل ہو گا اور تواضع کا مطلب ہے اپنے آپ کو چھوٹا سمجھنا، بڑا نہ سمجھنا اور دوسروں کو اپنے سے بڑا سمجھنا۔ اگر آدمی کے دل میں یہ بات آجائے کہ میں چھوٹا ہوں، باقی سب بڑے ہیں اور بڑے ہونے سے مراد عمر اور علم میں بڑا ہونا نہیں، بلکہ اللہ کے ہاں مقبولیت میں اور تقویٰ میں، نیکی میں سب مجھ سے بڑے ہیں یا فی الحال بڑے ہیں یا فی المآل ان کے بڑے ہونے کا احتمال ہے، لہٰذا دل میں اپنی کوئی بڑائی نہ ہو، بلکہ یہ سوچے کہ میرے پاس جو کچھ ہے، وہ اللہ کی عطا ہے، جب چاہیں واپس لے لیں۔ نہ میں اپنی ذات میں کوئی کمال رکھتا ہوں، نہ میرے پاس اپنی ذات میں کوئی خوبی ہے اور دوسری مخلوق سب کو اللہ نے بڑا نوازا ہے، یہ اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھنا تواضع ہے۔ جب ایک شخص کے دل میں تواضع ہو گی اور وہ یہ کہے گا کہ میں چھوٹا ہوں، یہ بڑا ہے تو کیا ایسا شخص کسی بڑے کے ساتھ بد اخلاقی کرے گا؟ نہیں کرے گا! اس لیے کہ بد اخلاقی اس وقت ہوتی ہے، جب دل میں اپنی بڑائی ہو اور دوسروں کی تحقیر ہو کہ میں تو بڑا آدمی ہوں، میرے تو لوگوں پر حقوق ہیں اور لوگوں پر واجب ہے کہ وہ میرا فلاں حق ادا کریں، اگر وہ میرا حق ادا نہیں کر رہے ہیں تو وہ غلطی کر رہے ہیں، لہٰذا میں ان کے ساتھ اچھے انداز میں پیش نہیں آؤں گا... ساری بد اخلاقی کی بنیاد اور جڑ یہ ہے۔ اگر تواضع پیدا ہو جائے تو پھر کوئی بد اخلاقی سرزد نہیں ہو گی، اس لیے میں کہتا ہوں کہ خوش اخلاقی کی کلید اور بنیاد تواضع ہے اور بد اخلاقی کی بنیاد تکبر اور عُجب ہے۔ حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بلندی عطا فرماتے ہیں۔“

(اسلام اور دورِ حاضر کے شبہات و مغالطے، مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، صفحہ: 194-195)

بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ کی دینی تعلیمی اور رفاہی خدمات کی جائزہ رپورٹ

اخبار السلام

دسمبر 2018ء بمطابق ربیع الثانی 1440ھ

بیت السلام کا شامی بھائیوں کے لیے 4 نئے منصوبے شروع کرنے کا فیصلہ

ترک رفاہی اداروں کے اشتراک سے قائم تین تعلیمی منصوبوں کے تحت 10 ہزار سے زیادہ شامی بچوں کی تعلیم کا انتظام

رہائشی پروجیکٹ کے طور پر شام کے اندر 110 بیواؤں اور 350 یتیموں کے لیے ایک نئی رہائشی بستی کا قیام

کراچی (پ ر) گزشتہ دنوں بیت السلام ویلفیر ٹرسٹ کے اعلیٰ سطحی وفد نے ترکی کا دورہ کیا۔ اس دورے میں ترک حکام کے ساتھ بات چیت کے دوران شامی بھائیوں کے لیے خدمت اور تعاون کے نئے منصوبوں پر اتفاق کیا گیا' یہ منصوبے بیت السلام ویلفیر ٹرسٹ اور ترک رفاہی اداروں کے اشتراک سے شروع کیے جارہے ہیں' جن کی نگرانی ترک حکومتی ادارے کریں گے' ان میں تین منصوبے تعلیم کے ہیں اور ایک پروجیکٹ بیوہ خواتین اور یتیم بچوں کی رہائشی بستی کا ہے۔ 3 تعلیمی منصوبوں میں ایک منصوبہ 130 کنٹینروں کی مدد سے قائم کیے جانے والے 8 اسکولوں کے قیام کا ہے جو گورنر کلس کی نگرانی اور ترک رفاہی ادارے آفاد سے انتظامی شراکت سے شروع کیا جارہا ہے' اس میں 9350 بچے پڑھ سکیں گے' دوسرا منصوبہ غازی انتب کے گورنر کی نگرانی میں شروع کیا جائے گا' جب کہ تیسرا منصوبہ دعنہ کے اندر دیانت فاؤنڈیشن کے اشتراک سے قائم کیا جائے گا' جس میں تقریباً 600 طلبہ پڑھیں گے۔ بیوہ خواتین اور یتیم بچوں کے لیے ایک رہائشی بستی قائم کی جارہی ہے' یہ بستی شام کے اندر ہی کسی جگہ قائم کی جائے گی' ابتدائی طور پر 110 بیوہ خواتین اور 350 یتیم بچوں کی رہائش کا انتظام کیا جائے گا

جامعہ بیت السلام فیز ٹو کے زیر اہتمام اولمپیاڈ 2018ء میں 45 سرکاری اور نجی تعلیمی ادارے شریک ہوئے

تقریباً 1500 طلبہ نے کھیلوں کے 9 اور اکیڈمک کے 12 مقابلوں میں حصہ لیا' زبردست جوش و خروش' ان مقابلوں کو بنک اسلامی' سنیکس اینڈ کو اور برائٹو پینٹس نے اسپانسر کیا

تلہ گنگ (پ ر) جامعہ بیت السلام فیز ٹو کے زیر اہتمام اولمپیاڈ 2018ء میں ضلع چکوال کے 45 اسکولوں کے تقریباً ڈیڑھ ہزار طلبہ نے حصہ لیا' ایک ہفتے تک جاری رہنے والے ان اولمپیاڈ مقابلوں میں 9 اقسام کے کھیل اور 12 اکیڈمک مقابلے ہوئے' ان مقابلوں کو جن اداروں کی اسپانسر شپ حاصل رہی' ان میں بنک اسلامی' برائٹو پینٹس اور سنیکس اینڈ کو شامل ہیں' ان مثالی مقابلوں کی وجہ سے چکوال شہر میں زبردست جوش و خروش رہا' یاد رہے ضلعی ایجوکیشن اتھارٹی نے نہ صرف ان مقابلوں کی منظوری دی' بلکہ تمام اسکولوں کو حصہ لینے کا ترغیبی خط بھی لکھا۔

بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ نے تھر کے ڈھائی ہزار مستحقین میں پکا پکایا کھانا، ڈیڑھ ہزار خاندانوں میں راشن تقسیم کیا

کم وزن کے ڈیڑھ ہزار کین کی تقسیم' پلاسٹک کے خوبصورت' ہلکے پھلکے' مگر مضبوط کین ملنے سے خواتین اور بچوں میں خوشی کی لہر' دور دراز سے پانی بھر کر لانے میں آسانی ہوگی

کراچی (پ ر) بیت السلام ویلفیر ٹرسٹ نے ملک کے چاروں صوبوں اور شمالی علاقہ جات کے انتہائی پس ماندہ علاقوں کے مستحق خاندانوں میں راشن کی تقسیم کا پروگرام ترتیب دیا ہے۔ اس سلسلے کا آغاز تھر سے کیا گیا' جہاں نہ صرف ایک ہزار سے زیادہ افراد تک مہینے بھر کا راشن پہنچایا گیا' بلکہ بیت السلام فوڈ بنک نے تقریباً ڈھائی ہزار افراد میں پکا پکایا کھانا بھی تقسیم کیا ہے' تقریباً ڈیڑھ ہزار گھرانوں میں پلاسٹک کے خوب صورت' ہلکے پھلکے مگر مضبوط کین بھی تقسیم کیے گئے۔ کم وزن کے مضبوط کین ملنے سے خواتین اور بچوں کے لیے پانی بھر کر لانا آسان ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کین ملنے سے بچوں اور خواتین کو بے انتہا خوش دیکھا گیا۔ بیت السلام ویلفیر ٹرسٹ نے تھر (یعنی سندھ کے ریگستانی علاقے) میں ضلع عمر کوٹ اور ضلع تھر پار کر کے گیارہ دیہاتوں اور گوٹھوں میں کھانا اور راشن بھی پہنچایا۔

J.
FRAGRANCES

BLOOM
Pour Femme

www.junaidjamshed.com J.Fragrances.Cosmetics J. Fragrances & Cosmetics J_Frag_Cos J.JunaidJamshed

Brighto™
Inspired by Nature

Brighto AllColor

Décor assumes a different meaning with Brighto Special Coatings. They give your living space a prestigious decorative finish by creating a world of beauty, luxury and sophistication.

Regd.# MC - 1366

brighto.paints | Toll Free 08000-1973 | BrightoPaintsPK | www.brightopaints.com

Brighto PAINTS